فروری ۲۰۲۰ء

Rs.30/-

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ

حیاتِ نو

دہلی

جامعة الصفة ورنگل

دیشائی پیٹ روڈ، ورنگل (تلنگانہ)

دعوت دین واقامت دین کیلئے ایک تعلیمی تحریک

الحمدللہ جامعۃ الصفہ ورنگل اپنے مقاصد کی تکمیل کا جہاں سولہواں سال مکمل کررہا ہے، وہیں پر تحریکی حلقوں میں بھی ایک معروف منفرد ادارے کی حیثیت حاصل کرچکا ہے۔ 2005 تا 2018 کے عرصے میں بفضلہٖ تعالیٰ 86 طلباء حفظ القرآن کی تکمیل کرچکے ہیں۔ جب کہ گذشتہ چھ برسوں میں 12 طلباء دستار فضیلت سے سرفراز ہوکر تحریک اسلامی کی سعی وجہد میں اپنا عملی کردار نبھا رہے ہیں۔

جامعہ کے شعبہ عالمیت میں چار سالہ اور فضیلت کا دو سالہ کورس رکھا گیا ہے، جس میں تشنگان علم وخادمان دین اپنے علم کی پیاس بجھا رہے ہیں تا کہ معاشرے میں وہ اپنا منصبی فریضہ ادا کرسکیں۔ کوشش کی جارہی ہے کہ فارغین جامعہ میں دین کی صحیح فکر، اقامت دین کی تڑپ، عصری علوم سے اتنی واقفیت، مہارت، بصیرت پیدا کی جائے کہ وہ زمانے کے ہر چیلنج کا مطلوبہ اسلوب میں مقابلہ کرسکیں۔ جامعہ میں اس وقت ریاست تلنگانہ وآندھراپردیش کے مختلف اضلاع کے علاوہ دیگر کچھ مقامات کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں اور تقریباً سارے ہی طلباء دارالاقامہ میں مقیم ہیں۔ ان کی رہائش، طعام وتعلیم کے اخرجات اہل خیر حضرات کے تعاون وسرپرستی میں مکمل کئے جاتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطائے فرمائے) طلباء کو انگریزی وعلاقائی زبان تلگو بھی پڑھائی جاتی ہے تا کہ وہ برادران وطن میں دعوت دین کا کام انجام دے سکیں۔ اس کے علاوہ جامعہ میں کمپیوٹر لیاب بھی موجود ہے۔ انشاءاللہ جامعہ کی دوسری منزل کی تعمیر اسی سال پیش نظر ہے۔ ادارے کا ماہانہ خرچ -/2,20,000 روپے ہے۔ سالانہ اخراجات اور تعمیر کیلئے ادارہ دردمندان ملت کے بہی خواہاں تحریک سے دست تعاون کی امید بھی رکھتا ہے۔

نوٹ: کاکتیہ یونیورسٹی اور دیگر کالجوں میں اعلیٰ عصری علوم کے لئے شہر ورنگل آنے والے طلباء کی دینی واخلاقی تربیت اور بہتر رہائش کے علاوہ حصول تعلیم میں یکسوئی کے پیش نظر جامعۃ الصفہ کے ہاسٹل میں رہائش کی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ چنانچہ جامعہ کے ہاسٹل میں پروفیشنل کورس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء مقیم ہیں۔ الحمدللہ اس کے اچھے اثرات مرتب ہورہے ہیں۔

تعاون کی شکلیں : شعبہ حفظ وعالمیت کے طلباء کی کفالت کیلئے سالانہ فی طالب علم -/20,000 ہزار روپے ہے۔ اساتذہ وغیر تدریسی عملہ کی تنخواہوں کیلئے ماہانہ -/95,000 روپے اس کے علاوہ اور دیگر ضروریات۔۔۔۔

بانی وناظم جامعہ محمد خواجہ عارف الدین

پیغام عمل

طلباء کی ذہنی وفکری تربیت اور عملی جدوجہد کیلئے ناظم جامعہ جناب محمد خواجہ عارف الدین کی بعد نماز عشاء روزآنہ کی گئی فکری واصلاحی تقریروں کے مجموعے "پیغام عمل" (کتابی شکل) کو عام طور پر تحریکی حلقے میں کافی پسند کیا گیا ہے چنانچہ اب اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کردیا گیا ہے۔ جامعۃ الصفہ کے علاوہ مکتبہ اسلامی سب ڈپو چھتہ بازار، حیدرآباد سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ (قیمت -/150)

JAMIA-TUS-SUFFAH, H.No. 11-24-314, Deshaipet Road, Warangal. (T.S.) India
Phone : +91-870-2424576, Cell: +91-98490 04547,
A/c. No. 444351498, Indian Bank, Mandi Bazar, Warangal. IFSC : IDIB000W004

SUFFAH HIGH SCHOOL

27 YEARS

English Medium, Nursery to X Class

Mandi Bazar, Warangal 506002 (Telangana)

Providing Excellence in Education Since 27 Years

Suffah High School was established in the year 1991 and since 27 years providing excellence in school education. We provide the best infrastructure for the students to get modern education in an islamic environment. Preparing the students for their better future here and hereafter

Our Facilities

* Moral Education
* Play Way Learning
* Arabic Classes
* Digital Class
* Coputer Lab
* Science Lab

Mohd. Khaja Arifuddin
Founder & Chairman

Dr. Aziz Ahmed Ursi
Founder Sec & Correspondent

Contact us @ 91870-2424086, 9700054253 email: suffah.shs@gmail.com

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو

مدیر مسئول: سید راشد حامدی   **مدیر اعزازی:** ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی

جلد: ۵،   شمارہ: ۲   فروری ۲۰۲۰ء / جمادی الاخریٰ۔ رجب المرجب ۱۴۴۱ھ

ادارتی امور کے لیے رابطہ کریں: 9927206518،8287025094
انتظامی امور کے لیے رابطہ کریں: 7011838453

ای میل: jareedahayatenau@gmail.com

مجلس ادارت

محمد اسماعیل فلاحی   علی گڑھ
زبیر ملک فلاحی   لکھنؤ
انیس احمد فلاحی   جامعۃ الفلاح

فی شمارہ	: اندرون ملک	۳۰/روپے
	بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
خصوصی شمارہ	:	۶۰ روپے
سالانہ زرتعاون	: اندرون ملک	۳۰۰/روپے
	بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ	: اندرون ملک	۵۰۰۰/روپے
	بیرون ملک	۳۰۰/امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Hamdi ,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla,New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Editor: Ziauddin Falahi**

نقوشِ حیات

اداریہ	ضیاءالدین فلاحی	۴
افاداتِ جلیل احسن ندویؒ	ظفر احمد الاثری	۷
قرآنیاتِ حمیدالدین فراہی [قسط دوم]	مولانا انیس احمد فلاحی مدنی	۱۵
استشراق۔ ایک تعارف	سید انعام الرحمٰن	۳۷
شاخت اور سنت نبوی ﷺ	عارض انیس	۲۷
جمہوریت کے پیمانے پر بھارت کا رینک کیوں گرا؟	رویش کمار / محمد اسعد فلاحی	۴۵
مولانا محمد علی مونگیری کا عہد	شاہد حبیب	۵۱
ادب اسلامی۔ ایک جائزہ	خان محمد رضوان	۵۸
دینِ مطلوب۔ ایک تعارف	ذکی الرحمٰن غازی مدنی	۶۵
بزم ادب	اشہد شیرازی	۷۳
آپ کے خطوط	حسن حبیب فلاحی	۷۵
جامعہ کے لیل ونہار	مصباح الباری فلاحی	۷۶

مقالہ نگاران وقلمی معاونین

۱- ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی (مدیر حیات نو)

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

۲- ظفر احمد الاثری، asarizafar@hotmail.com

لندن

۳- مولانا انیس احمد فلاحی مدنی

نائب مہتمم تعلیم وتربیت، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

۴- سید انعام الرحمٰن

فضیلت اول، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ، یوپی

۵- عارض انیس

فضیلت اول، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ، یوپی

۶- رویش کمار

معروف صحافی وٹی وی اینکر

۷۔ محمد اسعد فلاحی، asadmazharfalahi@gmail.com

مرکز جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

۸- شاہد حبیب، shahidhabib10@gmail.com

ریسرچ اسکالر مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی، لکھنؤ کیمپس، یوپی۔

۹- خان محمد رضوان، afeefrizwan@gmail.com

ریسرچ اسکالر، دہلی یونیورسٹی

۱۰- ذکی الرحمٰن غازی مدنی، zakighazi786@gmail.com

استاد، جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ یوپی

۱۱۔ اشہد شیرازی، ashhadfalahi@gmail.com

اسکالر ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

۱۲- حسن حبیب، abufarismh@gmail.com

صدر نیپال مساجد کونسل، ناظم جامعہ ضیاء العلوم نیپال

۱۳۔ مولانا مصباح الباری فلاحی

استاد جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ یوپی

ملک کی موجودہ صورت: احتساب اور ثمرات

فرد اور اجتماع کا محاسبہ انبیائی مشن کا حصہ رہا ہے۔ ماضی کے تمام انبیاء اور ان پر نازل شدہ آسمانی کتابوں میں عروج وترقی کے اس بنیادی پتھر کے نشانات آج بھی موجود ہیں۔محرف اور تبدیل شدہ ان الہامی کتابوں کی اصلیت کی وضاحت آج کی جدید تحقیقات سے ہوتی جاتی ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی (و:۱۹۷۷ء) نے اپنی ''انگریزی تفسیر'' میں درجنوں ایسے حقائق کا انکشاف کیا ہے۔

قرآن مجید نے بنی اسرائیل کی طویل تاریخ میں یہودیت ونصرانیت کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔متعدد انبیاء اور مختلف دانش وروں مثلاً (مردمومن اور لقمان حکیم) کے احتسابی مذاکرے فرد اور سماج کی تطہیر وتزکیہ کا بیش بہا سامان اپنے دامن میں رکھتے ہیں۔ماضی کے عمرانی اور تمدنی جلوؤں کا اگر جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اخلاقیات کی ضرورت بہر حال ماضی کی تمام تہذیبوں کو رہی ہے اور ہر تہذیب کی خمیر میں اسے اصلی و وجودی حیثیت حاصل رہی ہے۔انبیاء، صلحاء، شہداء اور مصلحین ومجددین ہمیشہ اسی پوشیدہ چنگاری کو آنچ دیتے رہے ہیں۔جس کے نتیجہ میں ابد تک معرکہ خیر وشر برپا رہے گا اور تا قیامت وارثین جنت اور واصلین جہنم کے لیے یہ عمل جاری رہے گا!

جدید بھارت میں بھی کسی نہ کسی شکل میں یہ معرکہ خیر وشر جاری ہے۔اگر سن ستاون سے معاصر عہد کے تذکیری رویوں کا جائزہ لیں تو مایوسیوں کے گھٹاٹوپ بادل میں امیدوں کی شعائیں بھی نظر آئیں گی۔فروری کے اس اداریے میں امیدوں کی انہی شعاعوں کو تلاش کرنا ہے تا کہ ماضی کی اعلیٰ قدروں سے مستقبل کو زادراہ فراہم ہو سکے۔مضیٰ ما مضیٰ اور نسیاً منسیاً کا قرآنی فلسفہ امت اسلامی کو اعصابی تناؤ سے نجات اور حرکت وعمل کی قوت بخشتا ہے۔ماضی پرستی اگر حال اور مستقبل کے زائچے میں متوازن غذا فراہم نہ کر سکے تو ایسی ماضی پرستی کو خیرباد کہا جائے گا لیکن اگر اس مثلث (ماضی، حال، مستقبل) میں یہ ''ماضی پرستی'' ہمیں ''قرنِ اول'' سے قریب کرنے اور اس کے ذریعہ دینی ودنیاوی فوز وفلاح کے لیے غذا حاصل کرنے میں معاون ہوگا تو ایسی ماضی پرستی کو ہمیشہ سلام پیش کیا جاتا رہے گا۔ چنانچہ جدید بھارت کی تعمیر نو کے لیے ''اصلاح وتنویر'' کے تمام ''ماضی افکار'' اور ''ماضی اعمال'' کا جائزہ ہمیں مقوی غذا فراہم کرتا رہے گا۔ یاد رکھا جائے کہ ''اصلاح وتنویر'' کے ''ماضی اعمال'' میں مسلمانوں کے علاوہ جینیوں، بودھوں، ہندوؤں اور سکھوں کے مذہبی مفکرین وواعظین، عملی مصلحین اور ان کی کتابوں کی شراکت داری

''ضروری'' ہے۔لفظ''ضروری'' کالاحقہ بھارت کے سیاق میں لگایا جارہا ہے کیوں کہ''سوشلسٹ، ڈیموکریٹک، سیکولر، جمہوریہ ہند میں''سیکولرازم'' کی اہمیت کا انکارممکن نہیں ہے۔راقم کااحساس ہے کہ اس سیکولرازم کی ضرورت اس وقت تک محسوس کی جانی چاہیے جب تک کہ بھارت کی امت اسلامی واقعی امت اسلامی نہ بن جائے۔اگر امت اسلامی انبیائی مشن کو اپنا مشن بنالے، اور طویل مدتی پروگرام کے نتیجہ میں وسیع وعریض بھارت میں شہادت حق کا اتمام حجت کردے اور دعوتی مہم کے وہ تمام تقاضے پورے کردے جو لازمی وضروری ہیں تو یقین جانیے کہ پھر سیکولرازم (اپنے پورے مفہوم میں) کے تحفظ وبقا کی معنویت خود بخود ختم ہوکررہ جائے گی!

یہ پہلو بھی نگاہوں میں واضح رہے کہ معاصر بھارت میں''ہندتوا'' اوراس کے عزائم کو شکست دینے کی خاطر سیکولرازم کا سہارا لینا، اوراسی کے ہتھکنڈوں سے جہاد کرنا اقامت دین کے وسیع تقاضوں کی ایک اہم ضرورت بھی ہے! اس کی تازہ مثال موجودہ قیامت خیز حالات میں''فاشزم سے آزادی'' اور دستور ہند کے تحفظ کے لیے ملک گیر تحریک ہے۔ چنانچہ ہر مکتبہ فکرونظر اور ہر ذات برادری اور زبان وتہذیب اس عظیم جدوجہد کا اٹوٹ حصہ بن چکی ہے۔ جس کا مظہر سڑکوں پر آہنی زنجیر کی شکل میں نظر آرہا ہے۔اس پس منظر میں نعرۂ تکبیر اور نظام مصطفیٰ کے جنونی متوالوں کو لگام دینے کی ضرورت ہے۔ یہ جوشیلے شرارے یقیناً امت اسلامی کا نہایت قیمتی اثاثہ ہیں۔ دین ودنیا کی دانش مندی کا تقاضا ہے کہ علم وآگہی سے لیس مردان کار اس طبقے کا تحفظ کریں، یعنی یہ کہ جنوں اور خرد کا ادغام پیدا کریں۔

'وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ' (آل عمران:۵۴) کی بنی اسرائیلی تاریخ کو اگر آرایس ایس (زمانہ قیام ۲۷رستمبر ۱۹۲۵ء) کے مکروفریب اوراس کے بُنے ہوئے جالوں پر منطبق کریں تو آپ کو ماضی کے جھروکوں میں متعدد مماثلتیں نظر آئیں گی، اس جائزے اور احتساب کے ذریعے حال کو درست کرنے کا حوصلہ ملے گا اور مستقبل کے واضح نقوش متعین ہوسکیں گے، البتہ اس پر الگ سے تحقیق کی ضرورت ہے۔ سردست اس مختصر تحریر میں چند عام انسانی اوراسلامی، اقبال مندیوں اور فتح یابیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

آج پورا بھارت''منووادیوں'' کے خلاف سینہ سپر ہو چکا ہے۔اس انبوہ کو''بنیان مرصوص'' بنانے کے لیے تو بہر حال فکر اسلامی کے گارے کی ضرورت ہوگی! تاہم یہ آہنی دیوار بہر حال اللہ کی عظیم نعت ثابت ہو چکی ہے۔ راقم کا احساس ہے کہ منووادیوں (برہمنوں) سے منوسمرتی کے احیاء اور تنفیذ میں جلد بازی ہو چکی ہے۔اور اللہ تعالیٰ کبھی کبھی ظالموں سے جلد بازی کرواکر شر کے اندر سے خیر کے پہلو نکالتا رہا ہے۔ چنانچہ تار عنکبوت سے بُنے ہوئے جالے اپنی لاغری اور بے ثباتی کا نوحہ کرنے لگتے ہیں۔غور فرمائیں کہ اگر موجودہ'' کالا قانون'' دستور ہند کا مخالف نہ بن چکا ہوتا اور اگر اسے صرف''مسلمان مخالف''، تسلیم کیا جاتا، تو صورت حال کی سنگینی دوچند ہو چکی ہوتی۔ ایسے میں

مہلت کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے برادرانِ وطن کی انسانی زنجیر کو مزید کمک فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔

خوش آئند پہلو یہ بھی ہے کہ پورے بھارت میں مسلم خواتین اور یونیورسٹی کے طلبہ وطالبات نے ملک عزیز کے جمہوری قدروں کو تقویت بخشی ہے۔شاہین باغ کی تین دادیوں (اسماء خاتون ۹۰ سال، بلقیس ۸۲ سال، سروری ۷۵ سال حفظہن اللہ) نے ہزاروں پوتیوں کو سیاسی شعور عطا کیا ہے، اور درجنوں ''شاہین باغات'' کو وجود بخشا ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ، اے ایم یو، اور جے این یو، بنارس ہندو یونیورسٹی اور بے شمار یونیورسٹیز کے طلبہ وطالبات نے فیض احمد فیضؔ، بسملؔ اور جوشؔ کے نغمے گا کر ایک طرف اردو زبان کو حیات تازہ بخش دی، جس کا اعتراف جسٹس (ر) مارکنڈ کاٹجو نے اس عنوان میں کیا:

''ملک کی حالیہ انقلابی تحریک کو اردو شاعری کی ضرورت ہے''۔(انقلاب، ۷ر جنوری ۲۰۲۰ء)

حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک نے اردو زبان وادب کو حیاتِ تازہ عطا کی ہے۔کاٹجو کہتے ہیں کہ اگر ہم بسمل کی اردو نظم سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے کا ہندی ترجمہ کریں تو یہ ''شیش کٹوانے کی اِچھا ہمارے ہر دَے میں ہے'' ہو جاتا ہے۔یقینی طور پر اس میں ایسی جوش والی بات نہیں ہے اور کوئی انقلابی اس کو نہیں گائے گا''۔

ایک اور پہلو پر غور کریں کہ جناب روی نائر اور جناب مجتبیٰ فاروق کی قیادت میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، دلت، اور دیگر آدی باسیوں کی کروڑوں کی آبادی نے ''الائنس اگینسٹ سی اے اے اینڈ این آر سی'' قائم کر کے ایک طویل جدوجہد کے لیے نشان راہ متعین کر لیا ہے۔اور ملکی سیاست کے لیے ان کوششوں نے ایک نئے ''اپوزیشن'' کی نیو رکھ دی ہے۔

آخر میں اس حقیقت کا اعتراف ضروری ہے کہ موجودہ صورت حال نے انسانیت اور ملک عزیز کی تعمیر نو کے جو امکانات روشن کیے ہیں، داعی امت کو اس چیلنج کو قبول کرنا چاہیے۔جن عزائم کا اظہار پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ سے ملکی وعالمی سطح پر ہو چکا ہے، ان میں رنگ بھرنے کے لیے جس صالحیت اور صلاحیت کی ضرورت ہے، قوی امید ہے کہ ''فلاحی قاری'' اس کو محسوس کرے گا اور اپنے حصے کے فرائض انجام دے کر ''اسلامی توکل'' کے گلدستے میں رنگ بھرے گا اور آئندہ کی فتوحات کا تمغہ دیگروں کو عطا کر کے، خود کو ''شُحِّ نفس'' سے بچا سکے گا۔وماتوفیقی الا باللہ

ضیاء الدین ملک فلاحی
شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ
۲۲ر جنوری ۲۰۲۰ء/ ۲۵ ر جمادی الاول ۱۴۴۱ھ

افادات جلیل احسن ندویؒ

(سورۃ الحج)

ظفر احمد الاثری

یہ سورہ مکی ہے یا مدنی اس بارے میں مفسرین کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔(آیت ۱)

[اتقوا] ای اجعلوا وقایة من انفسکم۔[ربکم] عذاب ربکم فله عذاب شدید[ربکم] ای تؤمنوا باللہ و ان لم تؤمنوا بالله فله عذاب شدید. اتقوا ربکم قبل الساعة حین تزلزل الارض و یختلط بین الشمس و القمر و یختل النظام و یظهر یوم القیامه. لذالک علیکم ان تؤمنوا بهذا القرآن والآخرة و بالله وحده. [شیء] هائب ، مخیف. (آیت ۲) تغفل کل مرضعة عن والد المراضع. کل حاملة تسقط حاملة قبل وقت خائفاً ما هم بسکاری بشرب الخمر بل یقع بخوف الله لانه عظیم و مهیب. و لاهم یشربون الخمر بل هذه السکرة بخوف الله. [یاایها الناس] ای المکذبین کما تدل الآیة الآتیة. (آیت۲) هؤلاء مبتلون بالسکری فهم الذین لا یؤمنون بالآخرة. (آیت۳) فی الله ای فی توحیده و هذه المجادلة تکون بغیر علم. [مرید] وہ شیطان جس کے اندر نیکی گھس نہیں سکتی۔ اس لئے کہ مرید کے معنی ہی آتے ہیں ''اچکنے'' کے۔[شیطان مرید] هنا یراد من القائدین الذین یتبعون. [ومن الناس] متبعوه، عوام. (آیت۴) هذه صفة ثانیة للشیطان[سعیر] نار مسعور، بھڑکائی ہوئی آگ میں لے جاکر گرادیا جائے گا۔(آیت۵) ان کنتم فی ریب من البعث فانکم فی ریب فی قدرة الخلق. قدرت کا اثبات ہو رہا ہے یا جزا۔[من تراب، جو هر][علقمة] جما ہوا خون۔[مضغة] لتھڑا (آیت۵) لنبین قدرتنا. هذه المراحل تدل ان الانسان محتاج الیه وان لم یکن یحتج الیه فلم یستطع ان یفعل هکذا. ثم سکن الله فی رحم الی اجل مسمی. [لتبتغوا اشدکم] یربیکم لتبلغوا اشکم. [ومنکم] من یمر بهذه الرحلة فهم یدخلون فی مرحلة ارذل العمر. [ارزل العمر] وہ یہ سمجھتے ہیں ہم ہی تمام ہیں، وہ

یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس تمام چیزوں کے علم ہوتے ہوئے ہم اس عمر کو پہنچ گئے ۔[اھتزت]حرکت پیدا ہوجا تی ہے[ر ب]اور پھولتی ہے ۔[بھیـــج]خشک ،تر و تازہ نباتات میں سے ۔تم دیکھتے ہو کہ تھوڑی سی بارش سے زمین لہلہا اٹھتی ہے تو جو خدا ایسا کرسکتا ہے تو اس کو قیامت کے لانے میں کیا مشکل ہے ۔

(آیت۶) **ذالک البعث بان الله هو الحق** ۔ایک یوم الحق آئے گا اور حق والوں کو حق کا بدلہ دے گا ۔(آیت۷) **لا ریب فی اتیان الساعة لم لا یخلق من جدید، و جدب الارض وقدمات لکن بعد الموت یحیی، هذا یدل علی البعث بعد الموت یوم القیامة.** (آیت۸) **من الناس** ،لیڈر حضرات ،توحید کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں ۔اور نہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے ۔[**علم**] **الدلائل العقلية**[**هدیً**] **الدلائل الفطرية** (آیت۹)**ثنی ، یثنی ، ثنیاً عطفه،**[**ثانیاً عطفه**] حال ہے ۔(آیت۱۰) ان کا انجام اس طرح اس لئے ہوگا کہ انھوں نے اپنے اعمال اور اپنے کرتوت کی بنیاد غلط چیزوں پر رکھی تھی اور انھوں نے حق کو نہیں سمجھا، بلکہ باطل کی راہ کو اپنا کر اور باطل پرست بن کر اوروں کو اس کی دعوت دی ،اور اپنے ارد گرد ایک بھیڑ اکٹھا کر لی ہے ۔اور لوگوں کو اسی طرح دھوکے دے دے کر انھیں صحیح راہ سے بھٹکاتے رہے ۔چنانچہ اس کے نتیجے میں ان کا انجام سامنے ہے ۔[**ولیس بظلام للعبید**]یعنی وہ حق پرست کو حق ہی دے گا اور باطل پرست اور بت پرست کو جہنم کے الاؤ میں ڈال دے گا اور وہ اسی بھٹی میں جلتے رہیں گے ۔

(آیت۱۱) لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو موقع پا کر خدا کی عبادت کرتے ہیں ۔دوسری طرف وہ جب دیکھتے ہیں کہ جو موقع عبادت کا نہیں بلکہ شرک کا ہے ،تو وہ اس طرح مداہنت کا طریقہ اختیار کر بیٹھتے ہیں ،اور ایسا کرنے میں بے باق ہیں ۔[**علی حرف**] **علی حرف من عبودية الله.** بندگی کے کنارے پر کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہیں اور طے کر لیا ہے کہ اسلام لائیں گے لیکن بیچ میں نہیں جائیں گے اور قربانی پیش نہیں کریں گے ۔اور جو فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور مل جائے تو مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی فتنہ رونما ہو جائے تو بھاگنے کا راستہ جس طرف بھی مل جائے تو بھاگ جاتے ہیں ۔بعض عابدین کی یہ حالت ہے کہ تو ان کا انجام وہ ہوگا جو مکذبین توحید کا ہوگا ،اور یہ سب سے واضح خسران ہے ،اس لئے کہ اس نے ابدی زندگی اور دنیاوی زندگی بھی برباد کر دیا ۔(آیت۱۲) اور وہ شخص جو عزیز کو چھوڑ کر دوسرے الٰہوں کی پرستش شروع کر دیتا ہے تو یہ اصل میں ضلال بعید میں ہے ۔حق جس طرح غیور ہے اسی طرح باطل بھی غیور ہے ۔[**مالا یضره**]لیڈر اور جن حضرات ۔(آیت۱۳) اس کا پکارنا ایک ایسے شخص کا ہے جو فائدہ سے زیادہ

نقصان پہنچانے والا ہے۔مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:''پہلی آیت میں معبودان غیر اللہ کے نافع وضار ہونے کی قطعی نفی کی گئی ہے۔کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے وہ کسی نفع وضرر کی قدرت نہیں رکھتے، دوسری آیت میں ان کے نقصان کوان کے نفع سے قریب تر بتا گیا ہے، کیونکہ ان سے دعائیں مانگ کراوران کے آگے حاجت روائی کے لئے ہاتھ پھیلا کر وہ اپنا ایمان تو فوراً اور یقیناً کھودیتا ہے۔رہی یہ بات کہ وہ نفع اسے حاصل ہوجس کی امید پراس نے انھیں پکارا تھا تو حقیقت سے قطع نظر، ظاہر حال کے لحاظ سے بھی وہ خود مانے گا کہ اس کا حصول نہ تو یقینی ہے اور نہ قریب الوقوع۔ہوسکتا ہے کہ اللہ اس کومزید فتنے میں ڈالنے کے لیے کسی آستانے پراس کی مراد برلائے، اور ہوسکتا ہے کہ اس آستانے پر وہ اپنا ایمان بھی بھینٹ چڑھائے اوراپنی مراد بھی نہ پائے۔(۲)

(آیت۱۲) بالکل عام ہے۔(آیت۱۱۔۱۳) انھوں نے جن کو ولی بنایا ہے وہی لے کر ڈوب جائیں گے۔(آیت۱۴) لیکن مؤمنین نے جس کواللہ بنایا ہے وہ انھیں ہرطرح کی نعمتوں سے نوازے گا۔(آیت۱۵) یہ بتلایا جارہا ہے کہ مؤمنین کواللہ ضرور کامیاب کرے گا۔[مایغیظ] وہ چیز جومشرکین کوجلن میں مبتلا کرتی ہے وہ نصر المؤمنین (مؤمنین کی نصرت) ہے۔چاہے لوگ کتنی ہی کوشش کرڈالیں لیکن وہ خدا کی نصرت کوروک نہیں سکتے ہیں۔ان وعدالله ان المسلمین لیظفرن حقاً.(آیت۱۵)مد الحبل بالحبل الی السماء ،اپنی ساری کوشش کرڈالنا۔[لیقطع] ای لیقطع المسافة من الارض الی السماء.[کیده] تدبیره لا یقطع النصر الالٰهی النازل من السماء للمؤمنین.[مایغیظ] سے مراد نصر المؤمنین و المراد بمن، الکفار. [وینصره]الضمیر المنصوب راجع الی رسول .والثانی، ان المراد بمن المؤمنون، الذین کانوا یستعجلون فی نفوسهم و یتمنون ان یأتی النصر عاجلاً. تسلی کے لئے ایک بہترین اسلوب ہے اوروہ یہ کہ کافروں پرعذاب تمہاری خواہش کے مطابق نہیں آئے گا۔(هذا التاویل عند الاستاذ والاستاذ مولانا اختر احسن اصلاحیؒ) جس کو یہ خیال ہو کہ خدائے تعالیٰ ہرگز مدد نہیں کرے گا تو اللہ تعالی کے یہاں ایک رسی تانے اور پہنچنے کی کوشش کرے اور پہنچ کروہاں خدائے الٰہی کے فیصلے کو بدل ڈالے۔مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:اس آیت کی تفسیر میں بکثرت اختلافات ہوئے ہیں۔مختلف مفسرین کے بیان کردہ مطالب کا خلاصہ یہ ہے:

(۱)جس کاخیال یہ ہوکہ اللہ اس کی (حضورﷺ) کی مدد نہ کرے گا،وہ چھت سے رسی باندھ کرخودکشی کرلے۔

(۲)جس کا خیال یہ ہو کہ اللہ اس کی (حضورﷺ) کی مدد نہ کرے گا وہ کسی رسی کے ذریعہ آسمان پر

جائے اور مدد بند کرانے کی کوشش کر دیکھے۔

(۳) جس کا خیال یہ ہو کہ اللہ اس (حضورﷺ) کی مدد نہ کرے گا وہ آسمان پر جا کر وحی کا سلسلہ منقطع کر نے کی کوشش کر دیکھے۔

(۴) جس کا خیال یہ ہو کہ اللہ اس (حضورﷺ) کی مدد نہ کرے گا وہ آسمان پر جا کر اس کا رزق بند کرانے کی کوشش کر دیکھے۔

(۵) جس کا خیال یہ ہو کہ اللہ اس (یعنی خود اس طرح خیال کرنے والے کی) مدد نہ کرے گا وہ اپنے گھر کی چھت سے رسی لٹکائے ارخودکشی کر لے۔

(۶) جس کا خیال یہ ہو کہ اللہ اس کی (یعنی خود اس طرح کا خیال کرنے والے کی) مدد نہ کرے گا وہ آسمان تک پہنچ کر مدد لانے کی کوشش کرے۔

ان میں سے چار مفہوم تو بالکل ہی سیاق وسباق سے غیر متعلق ہیں اور آخری دو مفہوم اگر چہ سیاق وسباق سے قریب تر ہیں لیکن کلام کے ٹھیک مدعا تک نہیں پہنچتے، سلسلۂ تقریر کو نگاہ میں رکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ گمان کرنے والا شخص وہی ہے جو کنارے پر کھڑا ہو کر بندگی کرتا ہے۔ جب تک حالات اچھے رہتے ہیں مطمئن رہتا ہے اور جب کوئی آفت یا مصیبت آتی ہے یا کسی ایسی حالت سے دوچار ہوتا ہے جو اسے ناگوار ہے تو خدا سے پھر جاتا ہے اور ایک ایک آستانے پر ماتھا رگڑنے لگتا ہے۔ اس شخص کی یہ کیفیت کیوں ہے؟ اس لیے کہ وہ قضائے الٰہی پر راضی نہیں ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ قسمت کے بناؤ اور بگاڑ کے سر رشتے اللہ کے سوا کسی اور کے ہاتھ میں بھی ہیں اور اللہ سے مایوس ہو کر دوسرے آستانوں سے امیدیں وابستہ کرتا ہے۔ اس بنا پر فرمایا جا رہا ہے کہ جس شخص کے یہ خیالات ہوں وہ اپنا سارا زور لگا کر دیکھ لے، حتی کہ اگر آسمان کو پھاڑ کر تھگلی لگا سکتا ہو تو یہ بھی کر کے دیکھ لے کہ آیا اس کی کوئی تدبیر تقدیر الٰہی کے کسی ایسے فیصلے کو بدل سکتی ہے جو اس کو ناگوار ہے۔ آسمان پر پہنچنے اور شگاف دینے سے مراد وہ بڑی سے بڑی کوشش ہے جس کا انسان تصور کر سکتا ہو۔ ان الفاظ کا کوئی لفظی مفہوم مراد نہیں ہے۔ (۳)

(آیت ۱۶) جس طرح ہم یہاں تثبیت کر رہے ہیں اسی طرح ہم اس کو اتارتے ہیں۔ [ھادوا] یہ انھیں کی اولاد ہیں جو کہ شرک کے وقت انھوں نے توبہ کی تھی۔ طنزاً کہا جا رہا ہے۔ [نصارٰی] یہودی لوگ [مجوس] آتش پرست۔ ہم نے یہ کتاب اس ملک میں بھیجی جس میں تمام لوگ بس رہے ہیں اور ان تمام لوگوں کو

توحید کی دعوت دی گئی ہے لیکن یہ لوگ انکار کر رہے ہیں تو اپنے نبی پر صبر کرو اور اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو۔ مولانا مودودیؒ اپنی تفسیر میں صابئ کے بارے میں لکھتے ہیں: [صائبین] ''صابی کے نام سے قدیم زمانے میں دو گروہ مشہور تھے، ایک یحییٰؑ کے پیرو جو بالائی عراق (یعنی الجزیرہ) کے علاقے میں اچھی خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں، اور حضرت یحییٰؑ کی پیروی میں اصطباغ کے طریقے پر عمل کرتے تھے۔ دوسرے ستارہ پرست لوگ جو اپنے دین کو حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام کی طرف منسوب کرتے تھے اور عناصر پر سیاروں کی اور سیاروں پر فرشتوں کی فرماں روائی کے قائل تھے۔ ان کا مرکز حران تھا اور عراق کے مختلف حصوں میں ان کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ دوسرا گروہ اپنے فلسفہ وسائنس اور فن طب کے کمالات کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوا۔ لیکن اغلب یہ ہے یہاں پہلا گروہ مراد ہے۔ کیونکہ دوسرا گروہ غالباً نزول قرآن کے زمانے میں اس نام سے موسوم نہ تھا۔ (۴)

[**ان اللہ یفصل بینھم یوم القیامۃ**] خبر ہے [**ان الذین آمنوا و الذین ھادوا و الصائبین و النصاری**] کی. [**ان اللہ علی کل شئی شھید**] بتائے گا کہ کون حق اور کون باطل پرست تھا۔ (آیت ۱۸) اب بتلایا جا رہا ہے کہ پوری کائنات توحید میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ایک گروہ ایسا ہے کہ جو ایک الہ کی پرستش کرتا ہے، دوسرا گروہ وہ ہے جو بہت سوں کو الوہیت میں شریک کئے ہوئے ہے۔ [**کثیر لا یسجد للہ**] **و حق علیہ العذاب، و کثیر من الناس حقت علیہ العذاب.** دونوں گروہ کا نتیجہ بیان ہوا ہے۔ توحید کے ماننے والوں کو اچھے انجام سے ہم کنار کرے گا۔ اور مشرکین کو عذاب سے دوچار کرے گا۔ مشرکین جو اللہ کے سامنے سجدہ نہیں کرتے تو اللہ ان کے بارے میں ہلاک ہونے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اور اس کی مشیت یہ ہے کہ توحید کے جھٹلانے والوں کو عذاب سے دوچار کرے گا۔ اور توحید کے ماننے والوں کو ساری نعمتوں سے نوازے گا۔ [**ھذان**] **اھل الشرک و اھل التوحید** ۔ [**خصم**] جو اپنے اصولوں میں سخت ہو۔ دونوں گروہ اپنے رب کے بارے میں قوی ہیں، ایک گروہ کہتا ہے کہ میرے رب کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں ہے، اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ میرے رب کے ساتھ شرکاء ہیں۔ [**اختصموا**] **فی توحیدھم و ربوبیتھم.** [**قطع**] تیار کرنا، آگ کے کپڑے تیار کیے جائیں گے۔ (آیت ۱۹) پیاس لگے گی تو حمیم گرادیا جائے گا۔ [**مافی بطونھم**] انتڑیاں [**یصھر**] **یعذب** [**مقامع**] گرز (آیت ۲۲) نکلنے کا کوئی سوال نہیں ہوگا۔ جب بھی نکلنے کا ارادہ کریں گے تو فوراً اسی میں ڈھکیل دئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ ابھی چکھو، یہ تو

وہ گروہ تھا جنھوں نے دنیا میں رسول کی تکذیب میں اپنی زندگی گزاردی تھی اسی کا بدلہ انھیں آج یہ مل رہا ہے۔اب دوسرے گروہ کا بیان ہو رہا ہے جنھوں نے اپنی زندگی رسول کے لائے ہوئے احکام اورفرامین کے مطابق زندگی گزاری۔(آیت۲۳)اوران کالباس ریشم کا ہوگا۔اصل میں انھیں بادشاہ کی زندگی کا تصور دلانا ہے اور جنت کی نعمتوں سے ہمیشہ ہمیش لطف اندوز ہوں گے اور وہاں ہمیشہ کی زندگی ہوگی۔(آیت۲۴) [ھدوا]ان کی رھنمائی توحید کی طرف کی گئی۔ آمنوا بالتوحید و عملوا الصالحات[الی الطیب] توحید(آیت۲۵) [و یصدون] کاعطف کفروا پر ہے۔یہ ایسااس لیے ہوا کہ انھوں نے کفر کیا یعنی رسول کی تکذیب کی۔رسول کی دعوت کی راہ میں روڑے اٹکائے۔(الاول) ماضی کا عطف مضارع پر کلام کو جاری رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے۔(الثانی) دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ اس کو حال کے صیغے میں رکھ دیا ہے۔[العاکف] المقیم [باد، بدا، یبدو] ظھر. یہ حضرات مسجد حرام جانے سے روک رہے ہیں[البادی] المقیم فی البوادی. سب لوگوں کے لیے اللہ نے عام کیا تھا لیکن انھوں نے اس کو اپنے لیے خاص کرلیا ہے۔[سواء العاکف فیه الباد] حال ہے،اس میں سب برابر ہیں۔کہنا یہ ہے کہ ہم نے مساوی طور پر تمام لوگوں کے لیے آنے جانے اور طواف کرنے کی آزادی دے رکھی تھی۔توانھوں نے مؤمنین کے لیے بند کردیا ہے۔وہاں جانے سے روک رہے ہیں تواللہ تعالیٰ انھیں عذاب دے گا۔[ھؤلاء ظالمون] [الحاد]شرک،ظلم۔وہ اپنی دنیا بنانے کے لیے مسجد حرام سے روک رہے ہیں۔تو یہ حضرات اگرایسا چاہتے ہیں اور شرک کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان کوعذاب الیم سے دوچار کریں گے۔یہ راستہ بند کررہے ہیں تا کہ ہم صرف اپنے بتوں کی عبادت کریں گے۔اوراگر مؤمنین کے قبضے میں آجائے تو وہ اپنے الہ کی پرستش کریں گے۔

(آیت ۲۶) تاریخ بیان ہورہی ہے، کہ ہم نے اسے مرکز توحید بنایا تھا لیکن انھوں نے اس کو بت خانہ بنادیا اور دعوی ہے کہ ھم ابراہیم کی اولاد ہیں۔[بوانا]ہم نے متعین کردیا تھا کہ یہاں گھر بناؤ،[اول] ان تشرک بدل ھی من مکان البیت.[وطھر] اورہم نے ابراہیم کو ہدایت دی تھی کہ اس گھر کو شرک سے پاک کرو،لیکن انھوں نے اس گھر کو بت سے بھر دیا۔[طائفین] آنے والوں کے لئے۔[اذن] اعلن، [فی الناس] مؤمنین کے اندر۔اعلن ان المؤمنین قصدوا الی مسجد احرام.[یاتوک]علت ہے، امر کے جواب میں۔[ضامر]وہ اونٹنیاں جو دور دراز سے آکر تھک جائیں۔(آیت ۲۷) یہ گھر مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، جولوگ طاقت رکھتے ہیں یہاں آئیں۔(آیت۲۸)[منفعة] ما یسبب النفع، اما

المادیة و اما الروحانیة. [یذکروا اسم الله]یعنی حج کریں،[فی ایام معدودات]۱۰۔۱۲؍ذی الحجہ۔ [بھیمة الانعام] اونٹ، [بھیمة] جانور، اس کی اضافت انعام کی طرف کردی گئی، ہے اور یہ تفسیر کے لئے ہے۔ اسلام میں اونٹ کی قربانی افضل ہے، لیکن اس کا گوشت یہودی حضرات نہیں کھاتے تھے اور حرام سمجھتے تھے، دودھ گوشت اور قربانی کو حرام کرلیا تھا۔ اور ایسا صرف ضد میں کرلیا تھا، یعنی بنو اسماعیل کی ضد میں کیا۔ [فی المناسک] قضاء وہ تمام افعال پورا کرنا جو حج کے اندر ہیں یعنی مناسک حج ادا کرنا۔ [التفث] ای الوسخ. ای ازالة الوسخ. والاصح: عند الاستاذ، قضاء مناسک الحج. [النذر] وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر واجب کیا ہے۔ اس سے مراد واجبات حج ہے۔ [ولیطفوا] اور چاہیے کہ طواف کریں۔ [ذلک] ای خذ ذالک۔ یا پھر الامر ذالک. یعنی جو کعبہ کی حیثیت اوپر بیان ہوئی اس کی اصلی حیثیت یہی ہے۔ معاملہ وہ ہے جو اوپر بیان ہوا ہے۔ [حرمات الله] وہ چیزیں جو اللہ کی نگاہ میں محترم ہیں اور جس کا احترام کیا جانا چاہیے، کعبہ حرمات اللہ میں سے ہے۔ اور حج مناسک بھی۔ مشرکین نے تو ان حرمات کا ذرہ برابر لحاظ نہیں کیا اور یہودیوں نے بھی اس کی اہمیت نہیں دی۔ [الا ما یتلی] یعنی الا منقطع یعنی سب حلال ہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں کردیا گیا۔ [الرجس] بچو پلیدگی سے یعنی بتوں سے۔ بچو اے مسلمانو! ان گندھیوں سے جو بتوں کی جانب سے آنے والی ہے۔ [واجتنبوا قول الزور] یعنی تم لوگ ان غلط چیزوں سے پرہیز کرنا، ایسا نہ کرنا جس طرح یہود نے حرام کو حلال کرلیا اور حلال کو حرام کرلیا۔ [غیر مشرکین] للتاکید، حنفاء. [بشر المخبتین] اخبت الرجل، دخل. [بھیمة]ایک عام لفظ ہے۔ اس لیے اس کی عمومیت کو ختم کرنے کے لیے انعام کی طرف اضافت کردی گئی ہے۔ [بائس] غرب۔ (آیت۲۹) قربانی کے بعد یہ یہ کام کرو۔ [لیقضوا تفثھم] میل اور گندگی کی صفائی کرو، یعنی بال وغیرہ بناؤ۔ [نذورھم]ما اوجبتم علی انفسھم. [ولیطفوا بالبیت العتیق]یہ طواف زیارت ہے۔ [عتیق] بہترین گھر۔ [الامر ذالک] خذ ذالک. (آیت۳۰) جاہلیت کے جتنے کفریہ مراسم ہیں ان کو ترک کردو۔ [مایتلی]سورہ انعام میں جو باتیں آئی ہیں یعنی ان کی قربانی نہیں ہوسکتی۔ (سورۂ انعام ۱۱۸۔۱۴۶) [من یعظم حرمات الله فھو خیر له][قول الزور] جھوٹ بات کہنے سے بچتے رہو۔ یہودیوں نے اپنی طرف سے غلط قسم کے ضابطے اپنے لیے بنالیا تھا۔ [اجتنبوا]لا تحلوا و لا تحرموا.

(آیت۳۱) [حنفاء] اللہ کے لئے یکسو ہوجاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ شرک نہایت

پستی کا نام ہے اور توحید بلندی کا نام ہے۔ شرک کرنے والے کی مثال ایسے ہی ہے، کہ آسمان سے گرتے ہی چڑیوں نے اسے اچک لیا ہو یا ہوا کے ذریعہ کسی گہری کھائی یا گھڈ میں گر کر تباہ و برباد ہو جائے۔ یعنی جو لوگ شرک کرتے ہیں بلندی سے پستی کی طرف آتے ہیں، اور ان کا انجام ہلاکت ہے۔ قرآن میں تمثیلات ہیں، تشبیہ بہت کم ہے۔[**شعیرہ**] **جمع، شعائر. العلامات المحسوسة التی تذکر الله** ۔[**شعائر الله**] سے مراد، ابراہیمؑ کی قربانی اور ان کا حکم۔ یہ تمام چیزیں یاد دلاتی ہیں۔ جو ابراہیمی شعائر کی تعظیم کریں گے گویا ان کے دل میں خوف خدا موجود ہے۔ وہ اپنے دل کو خدا سے ڈراتے ہیں۔ لیکن مشرکین اس سے خالی تھے، اس لیے وہ ابراہیمی شعائر کی پابندی نہیں کرتے تھے۔[**فانها.. ان تعظیم شعائر الله من تقوی القلوب**. (آیت۳۴)[**منسک**]قربان گاہ، رسول کے ذریعہ اس بات کی یاددہانی ہو رہی ہے کہ ان کی کتاب کے اندر قربانی کا ذکر موجود ہے۔ اور ہر امت کے لئے قربان گاہ متعین ہے۔(آیت۳۴) اس سے پہلے یہ بات بتائی گئی کہ ہماری جانب چار جانور کی قربانی پیش کر سکتے ہو۔ لیکن یہودیوں نے اونٹ کی قربانی کو نکال دیا، حالانکہ موسیٰؑ کی شریعت میں اونٹ کی قربانی تھا۔ ان کی قربان گاہ فلسطین تھا۔[**فکذالک جعلنا کم منسکاً لتذکروا اسم الله علی ما رزقهم**] جب تمہیں یہ حکم دیا گیا تو تم بھی ایسے ہی کرو، اور یہود حضرات جو پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اسے اللہ کے حوالہ کر دو، اور خدا کی طرف سے جو باتیں آئی ہیں اس کو فوراً قبول کر لو، اور ان کی ایک بات نہ سنو، اصل میں یہ تمام غلط حرکات مؤمنین کو بکھیرنے کے لیے کر رہے ہیں، تمہارا الہٰ ایک الہٰ ہے۔ شیطان کے پروپیگنڈا سے باز رہو اور چار جانوروں کی قربانی کی جا سکتی ہے۔ اور سب سے افضل اونٹ کی قربانی ہے۔[**الخبت**]اس زمین کو کہتے ہیں جس میں اونچ نیچ ہو۔ **الخبت من الارض ما انخفض و اتسع**.[**المخبت**] وہ لوگ جو اپنے دین میں مطمئن ہو گئے ہوں۔ تو ان لوگوں کو بشارت سنا دیں۔(آیت۳۵)[**وجل**]اس حالت کو کہتے ہیں جس کی جلالت اور غصے سے اس کا دل دھڑکنے لگتا ہے۔ اور یہ خوف سے آگے کی چیز ہے جہاں خدا کی صفات بیان ہونے لگتی ہیں تو ان کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔[**الصابرین**]**المنصوب علی الاختصاص**. ان کی خصوصیت یہ ہے کہ مصیبتوں پر چمٹنے والے ہیں اور محبت کا حال یہ ہے کہ خدا کی صفات سے ان کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔[**صابرین**] پہلی صفت [**المقیمی**] (تیسری صفت)

(آیت۳۶)[**البدن**]... **من الابل و البقر ، قد اضحی من البقر والبدن و تهدی**

الی مکہ للذکر و الانثی و جمعہ البدن[**البدن**] **اشتغال، و جعلنا البدن من شعائر اللہ** ۔وہ جانور جو مکہ میں لے جایا جائے گا، وہ اونٹ ہو یا اونٹنی خدا پرستی کی نشانیوں میں سے ہے۔اس لئے اس کو حرام قرار نہیں کیا جاسکتا ہے۔[**لکم فیھا خیر**]اس میں تم لوگوں کے لئے بہت خیر ہے .[**فاذکروا**] خدا کی بندگی صف بستہ ہوکر کرو۔[[**فاذا وجبت**]اوراس کی قربانی ہوجائے تو اس میں تم بھی کھاؤ،اور قانع اور معتر کو کھاؤ۔اسی طرح ہم نے تمہارے لئے ان جانوروں کو مسخر کردیا اور تم ان کی قربانی کرتے ہو لہٰذا اس کا تم خدا کا شکر بجالاؤ۔(آیت ۳۷)اب ہدایت دی جارہی ہے کہ جو کام کرو صرف خوف خدا کی وجہ سے کرو،اور جذبۂ شکر سے کرو۔[**کذالک**] ای **لذالک**، اسی غرض سے ہم نے انھیں مسخر کیا تاکہ تم اس سے فائدہ اٹھا سکو۔اور تم ہمارے شکر گزار بندہ بن سکو۔[(آیت ۳۸) مؤمنین کامیاب ہوں گےاور کافروں کو ذلت ہوگی۔

[**خوان**] جو بہت زیادہ خیانت کرنے والا ہو۔ **اشارۃ الی المتولین للکعبۃ**.[**کفور**] **کفروا نعم اللہ**. (آیت ۳۹)مظلومیت کی وجہ سے اجازت دی جارہی ہے،**بانھم بلغوا الظلم**۔اور تمہاری مدد ضرور ہوگی۔(آیت ۴۰)مؤمنین کا کچھ بھی جرم نہیں تھا مگر ناحق انھوں نے جوش بھرنے کے لیے کہا۔[**لولا دفع اللہ الناس**..]مولانا مودودی لکھتے ہیں:''یعنی یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے کسی گروہ یا قوم کو دائمی اقتدار کا پٹہ لکھ کر دے نہیں دیا ہے بلکہ وہ وقتاً فوقتاً دنیا میں ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ دفع کرتا ہے،ورنہ اگر ایک ہی گروہ کو کہیں پٹہ مل گیا ہوتا تو قلعے اور قصر اور ایوان سیاست اور صنعت وتجارت کے مرکز ہی تباہ نہ کردیئے جاتے بلکہ عبادت گاہیں تک دست درازیوں سے نہ بچتیں،سورۂ بقرہ کو اس مضمون کو یوں ادا کیا گیا ہے[**و لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض و لکن اللہ ذو فضل علی العالمین**] (آیت ۲۵۱)اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا رہتا تو زمین میں فساد مچ جاتا۔مگر اللہ دنیا والوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے''۔(۵)

[**صوامع**] گرجا[**بیع**]نصاریٰ کا معبد[**صلوات**] یہود کے عبادت خانے۔مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:''اصل میں صوامع اور بیع اور صلوات کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں،صومعہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں راہب اور سنیاسی اور تارک الدنیا فقیر رہتے ہوں،بیعہ کا لفظ عربی زبان میں عیسائیوں کی عبادت گاہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔[صلوات] سے مراد یہودیوں کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے، یہودیوں کے ہاں اس کا نام صلوتا تھا جو آرامی زبان کا لفظ ہے،بعید نہیں کہ انگریزی (salute)اور(salutation)اسی سے نکل کر

لاطینی میں اور پھر انگریزی میں پہنچا ہو‘‘۔(۶)

[**یذکر اسم اللہ**] کاتعلق صرف مساجد سے ہے۔[**من ینصرہ**] جواللہ کے دین کی مدد کرے گا اللہ ضرور اس کی مدد فرمائے گا۔[**لقوی**] **علی الاعداء**. (آیت۴۲)[**تمکین الارض**]سیاسی اقتدار۔[**زکوٰۃ**] جوغریبوں کودیا جاتا ہے۔[**الا**] سوائے مشرکین،جنھوں نے زکوٰۃ نہیں دیا۔[**للہ**] فتح و شکست کا مسئلہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔(آیت ۳۹) جنگ کی ہدایت دی جارہی ہے۔(آیت۴۲) اگر مشرکین مکہ برابر آپ کوجھٹلاتے جارہے ہیں تو آپ اس پرغم نہ کریں،اس لئے کہ پہلے جتنے انبیاء کرام آتے رہے ہیں سب کی تکذیب کی گئی،نوح کوان کی قوم نے جھٹلایا، عاد وثمود اپنے رسول کوجھٹلا کر نیست نابود ہو گئے۔(آیت۴۳) ابراہیمؑ کی قوم اور لوطؑ کی قوم اور سبھوں نے اسی بات پر اصرار کیا کہ اس رسول کی تکذیب کریں گے۔(آیت۴۴) اصحاب مدین،قوم شعیب اور موسیٰؑ کولوگوں نے جھٹلایا۔ایسا نہیں ہوا کہ تمام کو بیک وقت ہلاک کردیا گیا، بلکہ انھیں مہلت دی گئی پھر بھی مہلت سے فائدہ نہیں اٹھا سکے تو اس صفحہ ہستی سے حرف غلط کی مٹادیے گئے۔(آیت۴۵) یہ آیت نکیر کی تشریح ہے۔کتنی ہی بستیاں تھیں جنھیں ہم نے تہہ و بالا کردیا،اس لیے وہ ظالم قوموں کی بستیاں تھیں۔[**فھی خاویۃ علی عروشھا**]وہ اپنی چھتوں پر الٹی ہوئی ہیں۔[**و کاین من بئر عطلنا ھا، و کاین من قصر مشید**]] **ھدمناہ** بہت ہی سرسبز شاداب علاقے تھے ان کوڈھایا، یہ اصل میں قریش والوں کی طرف اشارہ ہے۔تمہاری روش اسی نہج پر ہے جو اس سے پہلی کی قوموں کی تھیں اور اسی روش کی وجہ سے وہ ہلاک کردیے گئے،لہٰذا تمہیں بھی اس کا مزہ چکھنا ہوگا۔انھیں تاریخی واقعات کو بیان کرکے دھمکی دی جارہی ہے۔اس میں دونوں گروہوں کا فائدہ ہے،مؤمنین کے لیے عبرت کا سامان موجود ہے اور کافروں کے لئے دھمکی کا پہلو ہے۔

[**المشید**] پختہ(آیت۴۶) مخاطب قریش ہیں،**یمرون بارض ھذہ لکن لم یعتبروا بھا، یرون باعینھم لکن لم یروا بقلب اعینھم.** پس ان کے دل ہوتے جس سے وہ سوچتے سمجھتے اور ان کے کان ہوتے جس سے رسول کی باتوں کو سنتے،حقیقت یہ ہے کہ ان کی نگاہیں بے بصر نہیں ہوگئیں بلکہ ان کے دل جوسینوں میں ہیں وہ اندھے ہوگئے ہیں، دل کی بصارت ختم ہوگئی ہے۔(آیت۴۷) مشرکین تم سے عذاب کے بارے میں مطالبہ کرتے ہیں اور عذاب الٰہی میں استعجال کرتے ہیں،یعنی وہ اس طرح کا مطالبہ کر کے اصل میں مذاق اڑانا چاہتے ہیں یعنی یہ کہ یہ رسول جودعوت دے رہا ہے کہ تم مرنے کے بعد اٹھائے

جاؤ گے سب غلط ہے اور اس کا کوئی حاصل نہیں۔ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ اللہ تعالی اپنے وعدے کو نہیں ٹالے گا، اس کو پورا کر کے رہے گا۔ حضورﷺ کہتے ہیں کہ عذاب الٰہی قریب ہے۔ قیامت کا دن بالکل قریب ہے اور قرآن کی بعض جگہوں میں قیامت قریب ہے۔ اس کے لیے تیاری کرو، تو یہ مشرکین مکہ اعتراض کرتے آخر وہ دن کب آئے گا، آخر کتنا قریب ہے، تو اللہ تعالیٰ رسول سے کہہ رہا ہے کہ تمہارا ایک دن اللہ کے یہاں ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ یعنی اس عالم کا نظام اس عالم سے مختلف ہے۔ (آیت ۴۸) کتنی ہی بستیاں تھیں جن کو ہم نے مہلت دی لیکن پھر بھی وہ نہ سنبھل سکے، تو ہم نے ان کی گرفت کی۔ (آیت۴۹) [ما انا الا نذیر مبین] فان آمنتم نجوتم فی الدنیا و الآخرة. (آیت۵۰) جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کئے ان کے لیے مغفرت یعنی جنت ہے اور وہاں کی نعمتیں ہیں۔ (آیت۵۱) تشکیک پیدا کرنے کے لیے یہودی حضرات کر رہے ہیں، انھوں نے پہلے یہ کہا کہ پہلے تو قبلہ ان کا بیت المقدس تھا لیکن اب بدل کر کسی اور جانب ہو گیا۔ اسی طرح مؤمنین میں تشکیک پیدا کرنے کے لئے دوسرے اور طریقے استعمال کرتے مثلاً اونٹ کی قربانی۔

نبی اور رسول میں فرق

[رسول] وہ جس کے پاس کوئی کتاب نہیں آئی ہے۔ [نبی] صاحب کتاب پیغمبر ہوتا ہے۔ (آیت۵۲) عام طور پر جمہور کی رائے یہی ہے کہ نبی صاحب کتاب نہیں ہوتا۔ (آیت۵۳) مولانا جلیل احسن ندوی اس آیت کے بارے میںؒ املا کراتے ہیں: ''آیت ۵۱ میں اسلام کے خلاف اور اس کے احکام و قوانین کے خلاف مخالفین حق جن میں یہود بھی شامل ہیں سب کی ریشہ دوانیوں اور مخالفانہ سرگرمیوں اور شک و شبہ میں [کی] سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا تھا کہ یہ لوگ اسلامی احکام و مسائل کے سلسلے میں القاو شبہات کرتے ہیں، مثلاً اونٹ کی قربانی اور اس کے حلال ہونے کے مسئلے جسے یہود نے اپنی تحریفات کے ذریعہ حرام قرار دے دیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جتنے رسول اور نبی آئے ان سب کے یہاں اونٹ کی قربانی اور گوشت حرام ہے، یہ کیسا پیغمبر ہے جو اونٹ کی قربانی کو افضل ترین قربانی قرار دیتا ہے۔ اور گوشت خوری کو جائز کر رکھا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کا پیغمبر نہیں ہے، ورنہ نبیوں کی راہ سے نہ ہٹتا، اسی طرح بہت سے مسائل و احکام سے مشرکین ناراض ہیں نصاری ناراض ہیں تو اسی طرح کے اعتراضات کا جواب آیت (۵۲۔۵۳،۵۴،۵۵) میں دیا گیا ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے جتنے صاحب کتاب اور مجدد کتاب پیغمبر بھیجے انھوں نے صحیح

دین حق [کو] پہنچایا اور لوگوں کو اصلاح وتقوی کی راہ پر لگایا، یہاں تک کہ وہ خیر و برکت کا معاشرہ ہوگیا اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوا تو اس کی آخری تمنا یہی رہی کہ لوگ دین حق پر قائم رہیں اور کتاب اپنی اصل شکل میں موجود رہے لیکن پھر ایسا ہوا کہ کتاب الٰہی کی گرفت ڈھیلی ہوگئی اور لوگوں پر حب عاجلہ اور اتباع شہوات مستولی ہوگیا اور انھوں نے اپنی کتاب میں تحریف کر ڈالی، لفظ کی تحریف بھی، عبارت کی تحریف بھی، اور عملی تحریف بھی۔ پھر اللہ نے دوسرے نبی کو بھیجا اور اس نے اپنی تعلیمات کو صحیح اور صاف صورت میں پیش کیا۔ اسی قاعدے کے تحت محمدﷺ کی بعثت ہوئی اور نئی کتاب آئی، یہ نئی کتاب شیطانی تحریفات کو مٹا کر صحیح احکام دیتی ہے اور ایسے ڈھنگ سے دیتی ہے کہ اس میں کوئی رخنہ نہیں ڈالا جا سکتا، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ جو لوگ شیطانی تحریفات سے چمٹے ہوئے تھے ان کے لئے یہ احکام فتنہ بن گیا۔ اب وہ سب مل کر اسلام کے خلاف طوفان اٹھا رہے ہیں یہود بھی، مشرکین بھی، منافقین بھی۔ البتہ اہلِ کتاب میں صالحین کو ان احکام کی وجہ سے بڑا اطمینان نصیب ہو رہا ہے اور اسماعیلی مؤمنین کے اندر بھی اس کی وجہ سے جماؤ پیدا ہو رہا ہے۔ تو اللہ طے کر چکا ہے کہ پوری طرح صراط مستقیم دکھا کے رہے گا، اور سارے احکام کی تکمیل کرتا رہے گا۔ اور یہ مخالفین حق اس کے خلاف طوفان اٹھاتے رہیں گے۔ وہ ماننے والے نہیں جب تک کہ قیامت نہ آجائے اور کوئی دنیوی عذاب نہ آپڑے، یہ نہیں مانتے تو نہ مانیں، اللہ قیامت کے دن فیصلہ کرے گا کون حق پر تھا اور کون باطل پر تھا۔ ہر ایک کو انعام یا سزا تک پہنچا کر رہے گا''۔

(آیت۵۲) [الا اذا تمنی] ان یبقی الکتاب محفوظاً محدداً (عندالاستاذ)[القی] من الفساد و التحریف فی کتابه.[ما یلغی] المراد منه تحریفات الیهود و بدعهم التی القو ها فی کتابهم.[فینسخ] بهذ القرآن [یحکم الله فی آیاته] ای یجعل آیاته کالبناء المحکم لا یتطرق الیه الفساد و التحریف.[والله علیم حکیم] فحکمه وهذا الجدید المنزل فی القرآن مبنی علی العلم المحکم. (آیت۵۳) اللام فیه للعاقبة لا للتعلیل و ترجمته بالاردیه "هکذا ''نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے لئے یہ حکم مزید گمرہی کا سبب بن گیا۔[الذین فی قلوبهم مرض] ای المنافقون[القاسیة فی قلوبهم]ا ی جماعة الیهود[الظالمون] المشرکون [الذین اوتوا العلم] ای المؤمنون و لا سیما مؤمنو اهل الکتاب. (آیت۵۴) لا یبالی الله اعتراضهم بل یتم احکامه. (آیت۵۵) قیامت تک یہ مکذبین شک وشبہ میں پڑے رہیں گے

اوران کی موت اسی حالت میں ہوگی۔[**عقیم**] شدید، خیر و برکت سے خالی ہوگا۔

(آیت۵۶) [**الملک**] **مختص لله و الام للاستغراق.** (آیت۵۷) جن کی زندگی قرآن کی تکذیب میں گزری اور جن کی زندگی کی اصل بنیاد یہی تھی تو انجام قیامت کے دن بہت ہی دردناک ہوگا۔(آیت۵۸)[**هاجروا**] پوری طرح قطع تعلق کرنا۔[**قتلوا**] انفرادی طور پر مراد ہے۔[**ماتوا**] طبعی موت یا میدان کی موت مراد ہے۔[**رزقاً حسناً**] تسلی کے لئے بات آئی ہے، جنت ہے۔(آیت۵۹) اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور ان کو جنت میں داخل کرے گا۔جس سے مؤمنیں خوش ہوجائیں گے۔[**حليم**] غلطی سے پاک ہے۔(آیت۶۰)[**الامر كذالك**] مہاجرین کو اجر حسن دے گا۔

(آیت۶۱) اس میں تسلی ہے کہ تصرف صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے جب چاہے ان کا خاتمہ کردے، جس طرح خدائے تعالیٰ شب کو تیرہ و تار ختم کر کے صبح نو طلوع کرتا ہے، اسی طرح اب مسلمان مصیبتوں کے ادوار سے گزر رہے ہیں ان پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ رہا ہے اور مصیبت کے نرغے میں ہیں بظاہر ان کا کوئی ماً وی وملجأ نہیں، اسی لئے تو مشرکین ایسا کررہے ہیں تو ایسی بات نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ اس شب دیجور کو ختم کر کے صبح کی نئی کرنیں پیدا کرے گا اور مصیبت کو ختم کرے گا۔اور مؤمنین ایک نئے دور میں داخل ہوں گے جس میں ان کی حکومت ہوگی اور جو خدا کے احکام جاری کریں گے۔[**سميع**] کون کہاں پکارتا ہے اس کو سنتا ہے اور جانتا ہے۔ یہ [**ذلك**] کی تصویر و تفصیل ہے۔ دوسرا ٹکڑا یہ بتلا رہا ہے کہ وہ سن رہا ہے اور کہاں سے پکار رہا ہے۔[**حق**] وہ حق پسند ہے اسی لئے وہ حق کو حق کر دکھائے گا۔[**ان لكم مولكم**] **للمشركين ليس لهم بمالك.** (آیت۶۲) **ذالك النصر ... لذالك هو حق.** مشرکین جن ہستیوں کو پکارتے ہیں وہ باطل ہیں اسی لئے مشرکین مکہ ناکام ہوجائیں گے۔(آیت۶۳) رأفت ورحمت کا تذکرہ ہورہا ہے۔(آیت۶۱) اگر حالات کی تاریکی ہے تو گھبرانے کی بات نہیں، کیونکہ جب صبح ہوتی ہے اور اس سے پہلے شب دیجور موجود ہوتا ہے۔اس کے باوجود صبح کا طلوع ہونا ضروری ہوتا ہے۔(آیت۶۳)[**ان الله لطيف خبير**] یہ امت زندہ ہوگی، لہلہائے گی جس طرح زمیں تھوڑی سی بارش سے باغ باغ ہوجاتی ہے۔ [**خبير**] تفصیلی خبر رکھنے والا ہے۔ جب وہ ایسا ہے تو تمہیں کیسے چھوڑے گا۔[**لطيف**] باریک بیں ہے۔ (آیت۶۴) زمین وآسمان کا وہی تصرف کرنے والا ہے۔اول [**غنى**] جس کے پاس سب کچھ ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔[**حميد**] فیاض۔اس کے پاس خزانہ ہے وہ کسی کو دیتا ہے تو کمی نہیں کرتا ہے، اس لیے تھوڑی دیر کے

لیے صبر کرو۔اللہ تعالیٰ تمہیں کامیاب کرے گا۔اور مشرکین کو ناکام کرے گا۔(الثانی) مشرکین میں سے کسی کا محتاج نہیں ہے، وہ جو کرتا ہے مستغنی ہے وہ قابل ستائش ہے۔[غنی حمید] تسلی کا پہلو ہے یعنی مدد کرے گا۔

(آیت ۶۵) قدرت رحمت ورأفت سب شامل ہے، سفر کرنا آسان کر دیا ہے۔اور یہ اللہ کی رحمت ہے کہ وہ آسمان کو گرنے نہیں دیتا ہے، اگر گرے گا تو اس کی اجازت سے گرے گا۔اس لئے وہی حکمراں اور فرماں روا ہے، اسی کی بات چلتی ہے، وہی مقتدر اعلیٰ ہے، وہ کہے کہ گر جاؤ تو فوراً گر جائے گا۔گرنے میں ذرہ برابر دیر نہیں لگے گی۔جب وہ مقتدر اعلیٰ ہے اور وہی پیدا کرنے والا ہے اور وہی زندہ کرنے والا ہے تو وہ دوبارہ اٹھائے گا بھی۔لیکن انسان ناشکرا ہے، حالانکہ اسے سوچنا چاہیے کہ وہ جس نے ہم کو پیدا کیا، پیدا ہی نہیں کیا بلکہ ہر طرح کی آسانی اور ہماری زندگی کی ضروریات فراہم کر دی، جیسا کہ اوپر کی آیت میں مذکور ہے کہ ہم نے تمہارے لیے سفر کے وسائل وذرائع فراہم کئے لیکن تمہارا حال وہی ہے۔حالانکہ تمہیں اس پر شکر ادا کرنا چاہیے۔

لام کی اقسام

(۱) استغراق، جو تمام پر مشتمل ہوتا ہے (۲) جنس (۳) عہد ذہنی، جو کسی کے لئے خاص ہوتا ہے۔(۴) خارجی۔

(آیت ۶۷) چاروں طرف کہرام مچا ہے، مشرکین مکہ خانہ کعبہ کی وجہ سے ناراض ہیں اس لئے مشرکین اونٹ کی قربانی جائز نہیں سمجھتے اور نہ گوشت کھانا صحیح سمجھتے تھے۔[منسکاً] قربان گاہ۔تمہارے لئے ہم نے قربان گاہ متعین کر دیا ہے اسے پورا کرو، تم سے اگر یہ لوگ جھگڑا کرتے ہیں تو آپ اثر نہ لیں۔[فی الامر] القربان، تم سے ہرگز نہ اہل کتاب اور اہل مشرکین جھگڑا کریں، تم اس سے متاثر نہ ہو۔یہی سیدھی راہ ہے۔اور یہی ابراہیمی طریقہ ہے۔(آیت ۶۸) اگر وہ جھگڑیں تو تم کہہ دو کہ اللہ تمہاری حرکات سے واقف ہے۔[بینکم] بیننا و بینکم][فیما] ان مسائل میں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔یہ کتاب اختلاف کو مٹانے والی ہے۔اور تم اس کو نہیں مان رہے ہو تو ساعت کا انتظار کرو۔(آیت ۷۰) اب جزا وسزا کا مسئلہ چھڑ گیا۔]فی کتاب] ای لوح محفوظ۔جب تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور کر رہا ہے اور اس کا علم محیط ہے تو اسی کے مطابق فیصلہ ہے۔لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

(آیت ۷۱) ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔[ما لم ینزل به سلطان]مشرکین مکہ نے جن کو خدا کے علاوہ وکیل اور سرپرست بنا رکھا ہے۔وہ قیامت کے دن کچھ بھی مدد نہیں کر سکیں گے۔ان کے عقیدے کی تردید ہو رہی ہے۔یہ تو توحید کے دشمن ہیں، صحیح بتلانے والوں کو جھٹلانے والے ہیں۔(آیت ۷۲)

[منکر] ناپسندیدگی[یکادون یسطون] جب مؤمنین انھیں آیات سناتے ہیں تو ان کے چہروں پر ناپسندیدگی کے آثار نظر آتے ہیں اور ان کے تیور چڑھ جاتے ہیں۔اور اس حد تک حالت پہنچ جاتی ہے کہ مؤمنین کو پکڑیں اور ماریں۔یعنی توحید سے اتنا زیادہ چڑھ ہے اور شرک سے اتنی زیادہ محبت ہے۔اور اتنا گہرا لگاؤ ہے۔[شر] برا نتیجہ۔تمہارے طرز عمل سے جو کچھ نتیجہ برآمد ہونے والا ہے۔[بشر من ذلکم] ای بشر کائن من ذالک، فھو النار . اللہ کا ان کے بارے میں یہی فیصلہ ہے کہ جہنم میں انھیں ڈھکیل دے۔[ذالک] اور جو یہاں ہے وہ توحید سے دشمنی ہے۔(آیت۷۳) توحید کا اثبات ہے، انھوں نے کمزور کو الہٰ بنایا ہے۔اور مؤمنین نے طاقتور کو الہٰ بنایا ہے اس لیے مؤمنین نجات پائیں گے۔[یاایھاالناس] عام لوگ۔[لہ] خلق ذباب، اگر وہ پوری قوت سے مکھی کے پیدا کرنے میں صرف کردیں تب بھی وہ نہیں کر سکتے۔اگر مکھیاں ان کے معبودوں کے اوپر سے کوئی چیز اٹھا کر لے جائیں تو یہ معبود ذرہ برابر اپنا دفاع نہیں کر سکتے، لھذا ضعف الطالب والمطلوب۔دونوں ہی کمزور ہیں، طالب اس لیے کمزور ہے ان کا مطلوب کمزور ہے۔(آیت۷۴) اللہ کی صفات کو انھوں نے ٹھیک ٹھیک نہیں پہنچایا۔[قوی] وہ قوی ہے۔[عزیز] حکمراں ہے۔(آیت۷۳۔۷۴) توحید کا مسئلہ ذکر ہے۔(آیت۷۵) جب وہ کسی کا انتخاب کرتا ہے تو اس کی پارٹی غالب آتی ہے۔جب وہ سننے والا ہے اور ماننے والا ہے تو ایمان لائیں گے ان کو وہ کامیاب کرے گا۔

(آیت۷۶) اللہ محیط ہے علم کے ساتھ۔تمام امور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ساری چیز اس کے ہاتھ میں ہیں۔کون ہے جو تمھیں شکست دیدے، نصرت آئے گی تو کوئی روک نہیں سکتا۔(آیت۷۷)[ارکعوا و اسجدوا] توحید کی اصل شکل ہے۔[اعبدوا] اسی کو معبود بناؤ۔[خیر] انفاق کرنا۔یامر بالمعروف نھی عن المنکر. [جاھدوا] پورا زور لگا دو دعوت حق میں. [حق جھادہ] واقعی اپنی محنت صرف کرو۔(آیت۷۸) دنیوی فتح کی بشارت دی جارہی ہے۔[اجتبی] اللہ کے دین کے لئے، اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے[حرج] تنگی] بڑا سہل اور آسانی ملی۔لیکن یہودیوں نے دین اللہ کو جکڑ دیا ہے۔[ملۃ] طریقہ، [ملۃ] ابراہیم۔

حواشی وتعلیقات

(۱) قال عبد الحق بن غالب بن عطیه الاندلسی (ت ٥٤٦ھ :(ھذہ السورة مکیة سوی ثلاث آیات قوله :((ھذان خصمان)) [الحج: ۱۹] الی تمام ثلاث آیات قاله ابن عباس و

مجاهد و روی ایضاً عن ابن عباس انهن اربع آیات الی قوله[عذاب الحریق]و قال الضحاک: هی مدنیة، قال قتادة: سورة الحج مدنیة الا اربع آیات: من قوله [و ما ارسلنا من قبلک من رسول و لا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته] الی قوله [عذاب یوم عقیم] فهن مکیات ، و عد النقاش ما نزل بالمدینة عشر آیات، قال الجمهور: مختلطة فیها مکی و مدنی و هذا هو الاصح والله اعلم لان الآیات تقتضی ذلک[المحرر الوجیز ۱۰۲/۱۷ ، ماخوذ من الموقع :جمهرة العلوم.و فیه تفاصیل عن ذالک)

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:''اس سورے میں مکی اور مدنی سورتوں کی خصوصیات ملی جلی پائی جاتی ہیں۔اسی وجہ سے مفسرین میں اس امر پر اختلاف ہوا ہے کہ یہ مکی ہے یا مدنی۔لیکن ہمارے نزدیک اس کے مضامین اور انداز بیان کا یہ رنگ اس وجہ سے ہے کہ اس کا ایک حصہ مکی دور کے آخر میں اور دوسرا حصہ مدنی دور کے آغاز میں نازل ہوا ہے اس لئے دونوں ادوار کی خصوصیات اس میں جمع ہوگئی ہیں۔(تفہیم القرآن جلد سوم، دیباچہ)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:''یہ سورہ اپنے مزاج ومطالب کے اعتبار سے مکی ہے۔اس کی صرف چار آیات (۳۸۔۴۱) ہجرت کے بعد کی ہیں۔'' مزید وہ لکھتے ہیں''انہی چند آیات کی بنا پر ہمارے مفسرین نے، اس سورہ کے مکی یا مدنی ہونے کے باب میں اختلاف کیا ہے۔لیکن کسی مکی سورہ میں چند مدنی آیتیں داخل ہوجانے سے، جب کہ ان آیات کی نوعیت بھی محض توضیحی آیات کی ہو، پوری سورہ کو مدنی نہیں قرار دیا جا سکتا،بعض مدنی آیات سورہ مزمل میں بھی ہیں حالانکہ وہ بالاتفاق مکی ہے۔(تدبر قرآن،جلد۵،سورۂ الحج)

(۲) تفہیم القرآن،جلد سوم،حاشیہ۱۸۔

(۳) تفہم القرآن،جلد سوم،حاشیہ۲۲۔

(۴) تفہیم القرآن،جلد سوم،حاشیہ۲۵۔

(۵) تفہیم القرآن،جلد سوم،حاشیہ۸۳۔

(۶) تفہیم القرآن،جلد سوم،حاشیہ۸۲۔

قرآنیاتِ حمیدالدین فراہی[قسط دوم]

(ڈاکٹر عبیداللہ فہد کی تحریروں کا مطالعہ)

مولانا انیس احمد فلاحی مدنی

مولانا فراہی کا اہم کارنامہ قرآن وسنت کی بے آمیز تعلیمات کی بے کم وکاست ترجمانی کرنا ہے۔ انھوں نے کسی معذرت خواہی اور مصالحت و مداہنت کے بغیر قرآنی شعائر واصطلاحات کی ٹھیٹھ تشریح وتعبیر کی ہے۔ ڈاکٹر فہد نے اس سیاق میں مولانا فراہی کی تحریروں سے متعدد مثالیں نقل کی ہیں۔ مسئلہ جہاد کی دفاعی واقدامی تعبیر اس کی واضح مثال ہے۔

جہاد کی قرآنی اصطلاح

جہاد کے مسئلہ پر بہت سے علماء نے لکھا ہے لیکن اکثر کا انداز مصالحانہ ہے۔ سرسید مرحوم نے گو اخلاص کے ساتھ اور مسلم قوم کے مفادات کے پیش نظر، جہاد کی تعبیر ایسی کی کہ وہ دفاع میں محدود ہو کر رہ گیا اور غیر اسلامی حکومت کی مسلمان رعایا کے لیے دو ہی صورتیں رہ گئیں یا تو وہ ظلم کو برداشت کریں۔ یا ہجرت کریں یعنی اس ملک کو چھوڑ کر چلے جاویں۔[۱] مولانا محمد حسین بٹالوی (۱۲۵۶ھ-۱۳۳۸ھ) نے جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد لکھا، مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے کرائے۔ انھوں نے انگریز سرکار کی اطاعت کو واجب قرار دیا اور وقت کے بعض مشہور حنفی علماء کو سرکار سے بغاوت کے طعنے دیے۔ اس رسالہ کی ایک عبارت بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

> ’’نتیجۂ مسئلہ اولیٰ: ازیں مسئلہ ثابت ومتحقق شد کہ کمال اسلام وایمان و نجات اہل اسلام بر جہاد موقوف ومنحصر نیست. اگر مسلمانان را از فرائض دینی بازند ارند مجرد عبادت برائے نجات و کمال این کافی است‘‘.(۲)

اس موضوع پر علامہ فراہی نے جو کچھ لکھا ہے اس میں شریعت کی صحیح اور سچی ترجمانی کے علاوہ جرأت رندانہ اور ہمت مردانہ کی بھرپور جھلک بھی نظر آتی ہے۔ علامہ جہاد اسلامی کے غلط تصورات پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ہمارے قدیم مفسرین کا خیال تھا کہ آیت سیف (۳) نے موعظت ونصیحت اور کفار و مشرکین کے لیے رخصت ورعایت کی بہت سی آیتوں کو منسوخ کردیا۔ ہمارے زمانہ کے متکلمین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ آیت سیف نے منسوخ تو نہیں کیا ہے لیکن اسلام میں جہاد صرف دفاع کے لیے ہے۔ ان کے خیال میں عہد نبوت میں جو غزوات ہوئے ان سب کی نوعیت دفاعی ہے اور بعد میں خلفاء اور صحابہ نے جو لڑائیاں لڑیں وہ تمام تر ملوکانہ جنگیں تھیں۔ ان کو جہاد فی سبیل اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے''۔(۴)

اس کے بعد فاضل مفسر اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیے ہوئے وعدۂ خداوندی اور ان پر ڈالی گئی ذمہ داری کی تکمیل تھا۔ قرآن (البقرۃ:۱۲۵) نے صراحت کردی ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے حکم دیا تھا کہ خانۂ کعبہ کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا۔ پھر خاتم النبیین ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرنے والا تھا۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ لوگوں کو وعظ وتلقین فرمائیں کہ مشرکین اپنی اصلاح کرسکیں۔ جب فرض تبلیغ اچھی طرح ادا ہو چکا تو حکم ہوا کہ خانۂ کعبہ کو مشرکین کے قبضہ سے آزاد کرائیں اور بوقت ضرورت قوت کو بھی استعمال کریں۔ مولانا فراہیؒ نے پوری بحث کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:

> ''اس سے معلوم ہوا کہ قتال محض دفاع کے لیے نہیں واجب ہوا بلکہ کعبہ کو فتح کرنے اور بنی اسماعیل کے اندر دین حقیقی کو از سر نو قائم کرنے کے لیے ہوا''۔(۵)

دین اسلام کی تبلیغ واشاعت اور خانۂ کعبہ کی آزادی کے لیے جہاد وقتال کے جواز کے لیے مولانا فراہیؒ نے مندرجہ ذیل دلائل دیے:

۱- غیر بنی اسماعیل اور اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ ان کو عدل وقسط پر قائم کیا جائے اور زمین کو فساد سے پاک کیا جائے۔

۲- جب بنی اسماعیل نے اطاعت کرلی اور سردارانِ قریش سرفگندہ ہوگئے تو قلب کے علاوہ بقیہ اعضاء کے لیے بھی یہی زیبا تھا کہ وہ بھی اطاعت کر لیتے اور رسالت محمدی پر ایمان لا کر اہل عرب کا ساتھ دیتے۔

۳- آپ کی دعوت ملت براہیمی کی طرف پلٹنے کی دعوت تھی اس لیے آپ ﷺ کے موقف پر اعتراض کی گنجائش نہ تھی۔ بغاوت اور فساد کے مرتکب دراصل وہ لوگ تھے جو اس دعوت کے مخالف تھے۔

مزید برآں علامہ فراہی نے قتال و جہاد کے لیے تین شرطیں ناگزیر قرار دیں:

(الف) مجاہدین کو سب سے پہلے اپنے نفس کو شائبۂ فساد سے پاک کرنا ہوگا اور عدل وانصاف کی میزان پر انھیں خود کھرا اترنا پڑے گا۔

(ب) اپنے ملک کے اندر بغیر ہجرت کے جہاد جائز نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد اگر صاحبِ جمعیت اور صاحبِ اقتدار امیر کی طرف سے نہ ہو تو محض شورش و بدامنی اور فتنہ وفساد ہے۔

(ج) قتال حصول قوت کے بعد ہی جائز ہے۔

ان شرائط کے ساتھ جہاد، مولانا کے نزدیک قیامت تک کے لیے واجب ہے۔(۶)

مولانا فراہیؒ نے سورۂ تحریم، آیت ۹ کی وضاحت میں یہ صراحت بھی فرمائی ہے کہ جہاد وقتال اور سختی ودرشتی کے پیچھے اصلاح احوال اور توبہ وانابت کا محرک کارفرما تھا تاکہ جن کے اندر قبولیت حق کی کچھ بھی صلاحیت ہے وہ بیدار ہو جائیں اور صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں جن کے لیے عذاب کا تازیانہ مقدر ہو چکا ہے۔ مولانا کے اس موقف میں ان دشمنانِ اسلام کا بھرپور جواب ہے جو غزوات وسرایا کو محض 'رزایا' تصور کرتے ہیں۔(۷) اور عہد نبوی کی خوشحالی ومعاشی آسودگی کو فتوحات کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے ان کے اصل محرکات ومقاصد پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔(۸)

مولانا کے نزدیک اس جانچ پرکھ اور جہاد وقتال کی سخت گیری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تعلقات اور قرابت کی وہ تمام زنجیریں ٹوٹ کر گر جاتی ہیں جو آدمی کو حق کے راستہ سے روکنے والی ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ آدمی اپنے ماں باپ اور اہل وعیال کے تمام ناطوں کو کاٹ کر صرف اللہ کے ایک ہی رشتہ سے جڑ جاتا ہے۔ قدرت کا یہ منشا نرمی اور سختی دونوں سے پورا ہوتا ہے۔(۹)

ڈاکٹر فہد نے مولانا فراہیؒ کا یہ موقف اُن کی تحریروں کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ یہ موقف ایمانی جرأت اور علمی شہامت ودیانت پر مبنی ہے۔ انھوں نے بعض دوسرے مسائل جیسے قرآنی تعلیم کے بنیادی حقائق، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی سماجی معنویت، خلافت وملوکیت کے بنیادی مسائل، تواصی بالحق کا

فریضہ پر بھی مولانا فراہی کے قرآنی موقف کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ اس موقف میں غیر مصالحانہ اسلامی فکر کی عکاّسی ہے اور بے آمیز اسلامی تعلیمات کی ترجمانی۔(۱۰)

قرآن کا ادبی اسلوب

اعجاز کلام کے لیے جس طرح رعنائی خیال اور بلندیٔ مضمون ضروری ہے اسی طرح دلکشی اور موثر اسلوب اور حسین وجمیل طرزِ بیان بھی لازمی ہے۔ بسا اوقات بلند اور نادر مضامین بھی بھونڈے اور فرسودہ پیرایۂ بیان کی وجہ سے اپنی تاثیر کھو دیتے ہیں اور بعض پامال اور معمولی باتیں بھی اپنی جادو بیانی اور جدتِ ادا کی وجہ سے معجزنما بن جاتی ہیں۔ مولانا فراہیؒ کے اس نکتہ کی بھرپور وضاحت ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی نے اپنی تحریروں میں جابجا کی ہے۔(۱۱) مولانا فراہی کلام کے معجزہ ہونے کے لیے اس میں ہدایت وحکمت کے ساتھ کمالِ بلاغت، حسنِ الفاظ اور موثر فصاحت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔(۱۲)

قرآن کے ادبی اسالیب کی اسی اہمیت کے پیش نظر مولانا حمیدالدین فراہیؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی اور ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی نے اس کتاب سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے اردو داں طبقہ کو چند ادبی اسالیب سے روشناس کرایا۔ اُن کی کتاب ''قرآنِ مبین کے ادبی اسالیب'' فکر فراہی کی ترجمانی کرتی ہے۔(۱۳) اس میں مولانا امین احسن اصلاحی کی مایہ ناز تفسیر تدبر قرآن سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر فہد نے انیس اسالیبِ قرآن کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا ہے:

عود علی البدء، علی سبیل المشاکلت، نہی کے ساتھ قید، تصریف، تخلیص، تکرار، قسم، تخاطب، قران ووصل، حذف، استفہام، نفی، حال، وصف، اعتراض، تکمیل یا اعتراض، عطف بالواؤ، ابہام کے بعد توضیح، تنکیر اور اس کے بعض اصول۔

فاضل مصنف نے آغاز میں ابن منظور صاحب لسان العرب اور ابن خلدون صاحبِ المقدمہ کے حوالے سے ادبی اسلوب کی تعریف کی ہے(۱۴) اور درج ذیل خصوصیاتِ اسلوب پر اپنی گفتگو مرکوز کی ہے:

۱- فکر کی وضاحت وصراحت، جیسا کہ معروف عربی ادیب الجاحظ نے لکھا ہے۔(۱۵)

۲- ترکیب کی وضاحت

۳- تاثیر کی قوت

۴- جمال ورعنائی، جو سلبی بھی ہے اور ایجابی بھی۔ تنافر اور وحشت وغرابت سے دوری بھی ہو اور

ذوق وخیال کے حسن کی بازگشت بھی۔(۱۶)ادبی اسلوب کی یہ خصوصیات کسی بھی زبان کے شہ پاروں میں موجود ہیں۔جدید عربی سیرت نگاروں میں ڈاکٹر محمد حسین ہیکل،توفیق الحکیم اور طٰہٰ حسین کے یہاں فکر وخیال کی یہ صراحت،ترکیب کلام کی یہ وضاحت،یہ تاثیر وتصویر کشی اور جمال ورعنائی بدرجۂ اتم موجود ہے۔(۱۷)یہاں قرآن مجید کے ایک ادبی اسلوب 'عود علی البدء' کی تھوڑی وضاحت ڈاکٹر فہد فلاحی کی کتاب سے کی جاتی ہے۔

نماز-نیکیوں کا سرچشمہ اور محافظ

عود علی البدء قرآن پاک کا ایک اہم اسلوب ہے۔یعنی کلام کا آغاز جس چیز پر ہوا ہو اسی پر کلام کا خاتمہ بھی کرنا تا کہ اس مضمون کی اہمیت وافادیت دلوں پر نقش ہوجائے اور سامع اسے فراموش نہ کرسکے،بیچ میں کسی خاص مناسبت اور تقریب سے کچھ مزید چیزیں اور بحثیں بھی آجاتی ہیں جن پر بقدر ضرورت روشنی ڈال دی جاتی ہے،پھر اصل مقصود کی طرف رجوع کرکے پوری گفتگو سمیت دی جاتی ہے۔

سورۂ مومنون کی ابتدائی آیات میں مومنین کی صفات گنائی گئی ہیں اور ابتداء نماز سے کی گئی ہے:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ. الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون:۱-۲)

(یقین فلاح پائی ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔)

درمیان میں مختلف صفات کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر میں پھر اسی صفت کا اعادہ کیا گیا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ (المومنون:۹)

(اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔)

مقصد نماز کو نیکیوں کا منبع اور ان کی محافظ ثابت کرنا ہے،اس امر پر زور دینا ہے کہ نماز ہی سے نیکی کی شروعات ہوتی ہے اور نماز ہی سے ان کی حفاظت بھی ہوتی ہے،اسی مضمون کو حضور سرور عالم ﷺ نے اپنی احادیث میں اس طرح زور دے کر فرمایا ہے:

لاخير في دين بلاصلاة (۱۸)

(جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔)

سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع کا مطالعہ کیجیے جن میں دین کی بنیادی اخلاقیات بیان ہوئی ہیں،ان میں والدین کے حقوق،رشتہ داروں اور مسکینوں کے حقوق،کنجوس اور فضول خرچی سے اجتناب،قتل اولاد کی ممانعت،زنا،قتل،یتیموں کا مال کھانا،ناپ تول میں کمی کرنا،زمین میں تکبر اور اکڑفوں کی

چال چلنا ان سب سے روکا گیا ہے، لیکن ان سارے امر ونواہی کی ابتدا توحید سے ہوئی ہے۔ اور سب سے پہلے توحید پر زور دیا جاتا اور شرک سے روکا جاتا ہے۔

لَّا تَجْعَلْ مَعَ اللّهِ إِلَـهاً آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوماً مَّخْذُولاً (بنی اسرائیل:۲۲)

(تو اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا ورنہ ملامت زدہ اور بے یار ومددگار بیٹھا رہ جائے گا۔)

اور اس اخلاقی درس کی انتہا بھی شرک سے اجتناب کی اسی تعلیم پر ہوئی ہے، اس ٹکڑے کے آخر میں فرمایا جاتا ہے:

وَلاَ تَجْعَلْ مَعَ اللّهِ إِلَهاً آخَرَ فَتُلْقَى فِي جَهَنَّمَ مَلُوماً مَّدْحُوراً (بنی اسرائیل:۳۹)

(اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا بیٹھ ورنہ تو جہنم میں ڈال دیا جائے گا، ملامت زدہ اور راندہ ہو کر۔)

یہاں یہ حقیقت ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ ان تمام بھلائیوں سے وابستگی اور ان تمام حقوق کی ادائیگی توحید سے ممکن ہے، جو شخص توحید کی اس تعلیم پر قائم رہے گا وہی ان تمام حقوق کو ادا کر سکتا اور ان اخلاقیات کا پابند رہ سکتا ہے۔ اسی سے ان فضائل کی ابتداء اور اسی پر ان کی انتہا بھی ہوتی ہے۔ (۱۹)

حواشی ومراجع

۱۔ احمد، سرسید، تفسیر القرآن، رفاہ عام پریس لاہور، جلد اول، ص ۲۵۳-۲۵۴

۲۔ مولانا مسعود عالم ندوی نے معتبر اور ثقہ راویوں کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ اس رسالہ کی تالیف کے معاوضہ میں سرکار انگریزی سے مولانا بٹالوی کو جاگیر بھی ملی تھی۔ دیکھیے اُن کی کتاب، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۸۱ء، ص: ۲۰-۲۱

۳۔ آیت سیف سے مراد سورۂ توبہ کی درج ذیل آیت ہے: فَإِذَا انسَلَخَ الأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُواْ الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُواْ لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ (توبہ:۵) [پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انھیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں اُن کی خبر لینے کے لیے بیٹھو۔]

۴۔ فراہی حمیدالدین، تفسیر نظام القرآن، حوالہ بالا، ص ۵۷۔

۵۔ نفس مصدر، ص ۵۷ ۔ ۶۔ نفس مصدر، ص ۵۸

۷۔ Watt, Montg, Muhammad at Madinah, London, 1968, pp. 2-9, Hitti. P.K., History of the Arabs, London, 1949, pp. 116-117

۸۔ عہد نبوی کی ابتدائی مہموں کے محرکات، مسائل ومقاصد اور مستشرقین کے اعتراضات کے تجزیہ اور صحیح نقطۂ نظر سے واقفیت کے لیے دیکھیے ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی، عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں: محرکات، مسائل اور مقاصد، نقوش رسول نمبر، لاہور، ۱۹۸۵ء، جلد ۱۲، ص: ۲۸۰-۳۸۴

۹۔ تفسیر نظام القرآن، حوالہ بالا، ص: ۱۸۰-۱۸۱

۱۰۔ کتابِ ذکر وفکر-قرآن پاک پر مقالات کا انتخاب، حوالہ بالا ص۱۷۳-۱۸۲

۱۱۔ فلاحی، عبید اللہ فہد، قرآن مبین کے ادبی اسالیب، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، اگست ۲۰۰۰ء، ص:۲۱

۱۲۔ فراہی، حمید الدین، القائد الی عیون العقائد، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۳۹۵ھ، ص: ۱۷۷-۱۸۰

۱۳۔ ڈاکٹر فہد فلاحی نے صراحت کی ہے کہ کتاب ''قرآنِ مبین کے ادبی اسالیب'' کا مسودہ اشاعت کے لیے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز کو جمع کیا گیا تھا تو عنوان کے ساتھ ''افادات مولانا حمید الدین فراہی'' کا لاحقہ بھی موجود تھا، مگر جب کتاب چھپ کر بازار میں آئی تو اس میں سے لاحقہ حذف کر دیا گیا تھا۔ غالبًا پروف خواں یا مدیر کی تساہلی کا یہ کمال تھا جو بعد میں فاضل مصنف پر تنقید کا سبب بنا۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کا تبصرہ ملاحظہ کیجیے: ''ڈاکٹر فہد فلاحی نے بتایا کہ فکر فراہی کے بعض علمبرداروں نے علی گڑھ میں اس تبصرہ کی خوب تشہیر کی۔ انھوں نے باور کرانے کی کوشش کی کہ ڈاکٹر فہد کی ساری قرآنی تحقیقات مولانا فراہی کی تحریروں کا چربہ ہیں۔ پروفیسر سید احتشام احمد ندوی جیسے فاضل ادیب اور مصنف بھی اس غلط فہمی کا شکار ہوئے۔ حسن اتفاق کہ انھیں ڈاکٹر فہد کی تازہ کتاب ''قرآن کریم میں نظم ومناسبت دور اول کے علمائے ادب وبلاغت کا مطالعہ'' انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، مارچ ۱۹۹۸ء، پڑھنے کا موقع ملا تو انھیں بڑی حیرت ہوئی کہ ڈاکٹر فہد پر یہ کرم فرمائی کیوں کی گئی جب کہ یہ کتاب علامہ ابن قتیبہ دینوری سے لے کر علامہ زمخشری تک کے ادیبوں کے نظریاتِ ربطِ قرآن کو موضوع بحث بناتی ہے۔ مولانا فراہی کی تحریروں کا اس میں دور دور تک ذکر نہیں ہے۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎ خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

(سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جلد ۱۸، عدد ۲، اپریل-جون ۱۹۹۹ء)

۱۴۔ قرآن مبین کے ادبی اسالیب، حوالہ بالا، ص ۷-۹

۱۵۔ الجاحظ، البیان والتبیین، جلد اول، ص ۱۰۵

۱۶۔ قرآن مبین کے ادبی اسالیب، حوالہ بالا، ص ۱۱-۱۹

۱۷۔ الشائب احمد، الاسلوب دراسۃ تحلیلیۃ لاصول الاسالیب الادبیۃ، مکتبۃ النہضۃ المصریۃ، طبع رابع، ص ۴۶

۱۸۔ الغزالی محمد، فقہ السیرۃ، ۱۴۰۰ھ، ص ۶۶۴، بحوالہ ابوداؤد

۱۹۔ قرآن مبین کے ادبی اسالیب، حوالہ بالا، ص ۲۵-۲۶، ۲۷-۲۸

استشراق۔ایک تعارف

سید انعام الرحمٰن

مغرب ہمیشہ امت مسلمہ سے دو محاذوں پر لڑتا رہا۔ فکری محاذ اور جنگی محاذ۔ اور الحمدللہ جنگی محاذ پر کبھی مغرب نے امت کو شکست نہیں دی۔ بقول گولڈا مائر ''جس قوم کے قائد کے پاس مرتے وقت گھر میں سوائے دیوار سے کھڑی نو تلواروں کے کچھ نہ ہو اس قوم کو کبھی تلوار سے شکست نہیں دی جا سکتی۔'' اس لیے مسلسل ناکامیوں کے پیش نظر مغرب نے مسلح تصادم کے بجائے فکری جنگ کا آغاز کیا اور اس جنگ میں سب سے پہلے اسلامی تعلیمات کو نشانہ بنایا۔ اس لیے کہ اسے یقین ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کی کامیابی کا راز ان کی تعلیمات میں مضمر ہے۔ اور ہمارے سامنے اسلام کی ایسی تصویر پیش کی کہ ہمیں اسلامی تہذیب پر فخر کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے اور امت کو فکری محاذ پر مغلوب ہی کرتا گیا حتیٰ کہ اس فکری غلامی کے نتیجے میں امت کے سواد اعظم نے اس سنت پر عمل کیا جو ہمیشہ سے کمزوروں کی سنت رہی، تلوار کے زور، استدلال کی قومیت، علمی شواہد کی تائید اور نظر وفریب حسن و جمال کے ساتھ جو خیالات ونظریات مغرب کی طرف سے آئے آرام طلب دماغوں اور مرعوب ذہنیتوں نے انہیں ایمان کا درجہ دے دیا۔ رہے ہمارے نوجوان تو نوجوانوں نے مرعوب بلکہ غلامانہ ذہنیت اور پھر غیر مکمل اسلامی تعلیم و تربیت کے ساتھ جب مغربی فکر وفن کی تحصیل کی اور مغرب کے زیر اثر تربیت پائی تو نتیجہ جو کچھ ہونا چاہیے تھا وہی ہوا:

جو تھا نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا   غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

ان میں تنقید کی صلاحیت پیدا نہ ہو سکی، انہوں نے مغرب سے جو کچھ سیکھا اس کو صحت اور تندرستی کا معیار سمجھ لیا، ناقص علم کے ساتھ اسلام کے اصول وقوانین کو اس کے معیار پر جانچ کر دیکھا اور جس مسئلے میں دونوں کے درمیان اختلافات پایا گیا انہوں نے کبھی مغرب کی غلطی محسوس نہ کی بلکہ اسلام ہی کو غلط سمجھا اور اس کے اصول وقوانین میں ترمیم و تنسیخ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ یہ تھی اپنوں کی سادگی اور اوروں کی عیاری۔

البتہ فکری محاذ پر چلائے گئے مغرب کے تیروں میں سے ایک تیر استشراق کا ہے جس نے اسلامی تہذیب وثقافت کو اتنا نقصان پہنچایا کہ اس کی تلافی کسی فائدے سے نہیں ہوسکتی۔

لغوی تعریف

استشراق کا لفظ دراصل عربی زبان سے ماخوذ ہے جس کا مادہ 'ش، ر،ق' ہے۔ باب استفعال سے استعمال ہوا ہے۔ جس میں طلب کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ یعنی مشرقی علوم کو حاصل کرنا۔ مشرقی زبانوں اور علوم وآداب کے عالم کو مستشرق کہتے ہیں۔ (المنجد)

الرائد میں استشراق کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"عالم اجنبي بحياة الشرق وعلومه وآدابه ولغاته وحضاراته ومدنياته."

ایسا عالم جو مشرقی علوم وآداب، زبان وتہذہب سے واقف ہو۔

چنانچہ استشراق کے معنی ہوئے مشرقی زبان وادب کا علم۔

انگریزی میں استشراقیت کو Orientalism اور مستشرق کو Orientalist کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ الفاظ Orient سے ماخوذ ہے۔

The Orient is trem Popularly all Countries of east for of asia Generaly.(انسائیکلوپیڈیا برٹینکا)

اوریںنٹ ایک ایسی اصطلاح ہے جو عام طور سے ایشیا یا مشرق قریب کے لیے بولی جاتی ہے۔ مشرقی بحرروم اور قدیم سلطنت روما کی مشرق میں واقع ممالک اور علاقہ جات اور وہاں کی تہذیب وخصوصیات سے متعلق جنوب مغربی ایشیائی ممالک سے متعلق نیز جس کا تعلق مسیحی یورپ سے ہو۔ آکسفورڈ اللسٹریٹڈ ڈکشنری کے مطابق:

Of the Orient esp, Asiatic Occurring in coming form, the East Characteristic of its Civilization etc.

مشرق سے متعلق، ایشیاءِ مشرق میں واقع یا مشرق سے آنے والا اور اس کی تہذیب وغیرہ کی خصوصیات، واضح طور پر وہ شخص جو مشرقی زبان وادب سے واقفیت بہم پہنچائے یعنی مشرقی علوم کا ماہر۔ اوریئنٹلزم کے معنی مشرقی خصوصیات، مشرقی رسوم ورواجات، مشرقی ثقافت وتہذیب مشرقی زبانوں اور مشرقی

اقوام سے متعلق علم ہے۔

اصطلاحی تعریف

عام طور سے مستشرق سے مراد غیر مشرقی عالم لیا جاتا ہے جو مشرقی علوم کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیں۔مستشرق علوم کے حوالے سے تحقیق ومطالعہ میں مشغول ہوتا ہے۔ ایڈورڈ ڈبلیو سعید کے مطابق مستشرق اس شخص کو کہتے ہیں جو مشرقی تہذیب وتمدن کے بارے میں لکھتا پڑھتا ہے اور تحقیقات کرتا ہے ویسے یہ لفظ سوشلجسٹ (Sociologist) اور ماہر تاریخ کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور ان لوگوں کی مساعی کو استشراق کہتے ہیں۔

مسلم محققین کی تعریفات

ابراہیم عبدالمجید اللبان المستشر قون والاسلام میں لکھتے ہیں:

المستشرقون اسم واسع يشمل متحده تعمل فی ميادين الدراسات الشرقية المختلفة فهم يدرسون العلوم والآداب الخاصه بالهند، والفرس والصين واليابان والعالم الغربی و غيرهم من اهم الشرق.

(مستشرقین وسیع مفہوم کا حامل لفظ ہے۔ یہ ان تمام افراد کے لیے بولا جاتا ہے جو مختلف مشرقی مطالعات بالخصوص ہند، ایران، چین، جاپان وغیرہ سے متعلق علوم کے میدانوں میں کام کرتے ہیں۔)

دراصل یہ لفظ ان غیر مسلم مغربی علماء کے لیے مخصوص ہے جو مشرقی زبان اور علوم وآداب میں دل چسپی لیتے ہیں لیکن مشرق کی غیر مسلم زبانوں، غیر اسلامی علوم وفنون اور اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے مغربی عالم کو مستشرق نہیں کہا جاتا۔اس لحاظ سے مستشرق مغرب کے ان غیر مسلم خاص کر یہود وعیسائی علماء کو کہا جائے گا جو اسلام، اسلامی علوم، اسلامی زبانوں اور اسلامی تہذیب وثقافت کے مطالعے میں خصوصی دل چسپی لیتے ہیں۔ (استشراق اور اسلام، معارف اعظم گڑھ)

مستشرق کے لفظ کے تناظر میں استشراق اور مستشرقین کے تعارف میں بالعموم مشرق ومغرب کی ایک خاص تقسیم کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔لیکن بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شرق وغرب کی یہ تقسیم غیر اعتباری ہے۔ چنانچہ

کچھ اہل علم کے نزدیک مستشرقین کے عرف میں لفظ مشرق کا جغرافیائی مفہوم مراد نہیں بلکہ ان کے نزدیک مشرق زمین کے وہ خطے جن پر اسلام کو فروغ حاصل ہوا گویا مستشرقین اسلامی ممالک اور دنیائے اسلام کو مشرق کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں ورنہ تو مسیح، عیسائیت اور بائبل کے اکثر واقعات کا تعلق بھی مشرق سے بنتا ہے لیکن ان سے متعلق علم کے کسی ماہر کو مستشرق نہیں کہا جاتا۔

بعض مسلم محققین نے استشراق کی یہ جامع تعریف کی ہے:

> ''اہل مغرب بالعموم اور یہود ونصاریٰ بالخصوص مشرقی اقوام خصوصاً ملت اسلامیہ کے مذاہب، زبانوں، تہذیب وتمدن، تاریخ، ادب، انسانی قدروں، ملی خصوصیات، وسائل حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے بارے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر ان پر اپنا مذہب اور اپنی تہذیب مسلط کرسکیں اور ان پر سیاسی غلبہ حاصل کرکے ان کے وسائل حیات کا استحصال کرتے ہیں انہیں مستشرقین کہا جاتا ہے اور جس تحریک سے وہ لوگ منسلک ہوتے ہیں وہ تحریک استشراق کہلاتی ہے۔'' (ضیاء النبی)

مستشرقین کی جامع تعریف کچھ اس طرح ہوگی:

اہل مغرب عموماً اور یہود ونصاریٰ خصوصاً جو مشرق بالخصوص مسلم مشرق پر اپنی مزعومہ نسلی وثقافتی برتری کے تخیل کے تحت مسلمانوں پر اپنا تسلط قائم کرنے کی غرض سے مسلمانوں کو اپنے مذہب، عقائد، زبان وادب، تمدن وتاریخ اور وسائل وامکانات، وغیرہ کے حوالے سے موضوعی منفی نتائج سامنے لاکر شکوک وشبہات اور احساس کمتری میں مبتلا کرنے کی غرض سے ان کے مذہب، زبان وادب، تمدن وتاریخ، اور وسائل وامکانات وغیرہ کا مطالعہ معروضی تحقیق کے دعوے کے ساتھ کرتے ہیں وہ مستشرق ہے اور جس تحریک سے یہ وابستہ ہے وہ تحریک استشراق ہے۔

استشراق کے وجود کے اسباب

صلیبی جنگوں میں عیسائیوں نے لاکھوں جانیں قربان کی، ان کے بڑے بڑے قائدین کام آئے۔ لیکن بایں ہمہ وہ مسلمانوں کو دبا سکے اور نہ ہی بیت المقدس کو فتح کرنے میں کامیاب ہوسکے۔ مسلسل ناکامیوں کے پیش نظر انہوں نے مسلح تصادم کے بجائے مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لیے دوسرے حربے استعمال کرنا شروع کیے۔ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کی کامیابی کا راز ان کے دین کی تعلیمات میں

پنہاں ہے۔ اوران کو کمزور کرنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ دین اسلام اور داعی اسلام کی ایسی تصویر پیش کی جائے جو مسلمانوں کو مسلمان کہلاتے ہوئے شرم محسوس ہو۔ چنانچہ انہوں نے تیغ وسناں کے بجائے قلم وقرطاس کا کام کیا۔ انہوں نے ڈراموں، فلموں، کارٹونوں اور کتابوں میں اسلام اور داعی اسلام کے کردار کو مسخ کرکے پیش کرنا شروع کیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے کئی روپ دھارے جن میں ایک روپ استشراق کا ہے۔ ایک مستشرق کے عزائم وہی تھے جو صلیبیوں کے تھے فرق صرف طریق کار کا ہے۔ صلیبی دشمن کے روپ میں اسلامی مشرق میں آئے تھے لیکن مستشرق علم دوست اور مشرقی علم وثقافت، تہذیب وتمدن اور دین ومذہب کے حقائق کا نمائندہ بن کر مشرق میں آتا ہے اور پھر اپنے قلم کے زور اور تخیل کی پرواز سے اسلام اور مسلمانوں کو قتل کرتا ہے۔

نقطۂ آغاز

آربری (John Arberry) کہتا ہے کہ یہ لفظ پہلی مرتبہ ۱۶۳۰ء میں مشرقی یونانی کلیسا کے ایک پادری کے لیے بولا گیا۔ یوروپی زبانوں میں Orientalism اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں رائج ہوا۔

تحریک استشراق کے آغاز سے متعلق محققین کی مختلف آراء ہیں۔ بعض کے مطابق یہ تحریک دسویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی۔ وہ اس سلسلے میں پوپ سلوسٹر ثانی کا نام لیتے ہیں۔ جس نے عربی زبان وادب کی تعلیم حاصل کرکے عربی ماہر کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ کچھ محققین کا کہنا ہے کہ اس کی ابتدا تیرہویں صدی عیسوی سے ہوئی۔ ایک شاذ رائے یہ ہے کہ اس کی ابتداء ۱۳۱۲ء میں فینا میں منعقد کلیسا کی کانفرنس میں یورپ کی مختلف یونی ورسٹیوں میں عربی زبان وادب کی تدریس کے لیے باقاعدہ چیئرس (Chairs) قائم کیے۔

اہداف

بعض محققین نے مستشرقین کے اہداف کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں: لیکن میں نے ان کی کوششوں کی ہمہ گیریت کی وجہ سے تقسیم اہداف کو مناسب نہ سمجھا۔ بعض محققین نے مذہبی، معاشی، سیاسی، سماجی اور دیگر اسی طرح کے اہداف بیان کیے ہیں:

(۱) دین اسلام کو دنیا کے اقوام میں عموماً اور یہودی اور عیسائی میں خصوصاً پھیلنے سے روکا جائے۔

مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے تگ ودو کی جائے۔ اور عیسوی عقائد معلوم کرنے کے لیے کتاب مقدس(انجیل وغیرہ) کا دیگر زبانوں میں ترجمہ کے بجائے عبرانی نسخوں پر اعتماد کیا جائے۔(ترجمان الفلاح)

(۲)اسلام کو نظریاتی اعتبار سے کمزور کیا جائے اور مغربی اقدار وافکار کی بڑائی اسلامی افکار پر ثابت کی جائے۔

(۳)مشرقی علاقوں کی سماجی، سیاسی اور تاریخی معلومات کے ذرائع ان علاقوں پر اپنے غلبہ وتسلط کو مستحکم کیا جائے۔

(۴)مشرق کے خام مواد پر اپنے قبضہ اور پورے مغرب کو عالمی مارکیٹ میں تبدیل کیا جائے۔

(۵)مغربی جوانوں کے سامنے عمل کے نئے میدانوں کو مسخر کیا جائے۔

(۶)اس کے ساتھ ساتھ وہ ان تحریکات، اور عقائد وخیالات کا توڑ کرتے رہتے ہیں، جو ان کی حکومتوں کا دردسر بنے ہوئے ہیں۔

(۷)تحریک استشراق کے علمی مقاصد میں سے ہے کہ یونی ورسٹیوں میں علوم مشرقیہ کی تعلیم، دنیا کے طول وعرض میں مدارس کا قیام، مختلف کتابوں کی تحقیق اور مختلف موضوعات پر کتابیں شائع کرنا وغیرہ شامل ہے۔(اسلامک انسائکلو پیڈیا)

استشراق کی ناکامی کے اسباب

(۱)عربی زبان وادب کا کامل ذوق نہ ہونا۔(۲)محدثین کے یہاں رائج منہج نقد کو نظر انداز کرنا۔(۳)اسلامی تہذیب اور صدر اول کی تاریخ کا علم نہ ہونا۔(۴)ذہنی اور قومی خواہشات کی بنا پر نصوص کی تفسیر وتوضیح میں عدل سے کام نہ لینا۔(۵)اہل ایمان کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے۔ چنانچہ مستشرقین اپنی چال چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا۔

مستشرقین نے دراصل مسلمانوں کے علمی ورثے کی چوری کی۔ اسلام مخالف عزائم کے غرض سے اس سے اعتناء کیا۔ لہٰذا چوروں کی ہمت افزائی نہیں کی جائے گی۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مستشرقین کی مختلف کیٹگری ہے:(۱)متشددین (۲)منصفین (۳)معتدلین۔ میں اس سے متفق نہیں ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی آپ کی عزت وعصمت پر ہاتھ ڈالے اور اس ہاتھ ڈالنے والے کو قسموں میں تقسیم کریں۔ لہٰذا اسلامی شعائر، اسلامی

تہذیب وثقافت، اسلامی وراثت ہمارے نزدیک ہماری عزت وعصمت سے زیادہ عزیز ہے۔ لہٰذا جو بھی ان سے چھیڑ چھاڑ کرے گا وہ ہماری نظر میں جرم برابر کا شریک ہے چاہے وہ اپنوں کی سادگی ہو یا اوروں کی عیاری۔

ہماری ذمہ داری

☆ اللہ رب العالمین سے تعلق کو مضبوط کیا جائے۔ مزید محبت رسول ﷺ کو اپنے دلوں میں پیوست کریں۔

☆ فکری احساس کم تری سے نکل کر اسلامی تہذیب وثقافت پر فخر کیا جائے۔

☆ دعوت کے Defencive پوزیشن سے نکل کر Opencive پوزیشن میں آیا جائے۔

☆ قرآن اور حدیث کو مسلمانوں اور اجماع امت کے فہم کے مطابق سمجھا جائے۔

☆ عقائد کو قرآن واحادیث کی روشنی میں مضبوط کیا جائے۔

☆ اسلامی تعلیم کو عام کیا جائے۔ مزید بچوں کا تعلیم کے بعد احتساب کیا جائے۔

☆ تمام علوم سے پہلے بچوں کو دینی تعلیم سے متعارف کرایا جائے تا کہ باطل نظریات کا مقابلہ کرنے میں آسانی ہو۔

☆ طلبہ ونو جوانوں کو ایسی تحریک سے جڑ کر رہنے کی کوشش کرنی چاہیے جو قوت فکر وعمل کے اعتبار سے مفقود نہ ہو۔

☆ مزید اسلام کی عظمت، اعلاء کلمۃ اللہ اور شعائر اسلام کی خاطر جان ومال کی قربانی دینے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کیا جائے۔

☆ نیز اسلام پر برستے باطل کے فکری اور نظریاتی تیروں کا جواب دینے کی خاطر فکری اور علمی تیاری کی جائے۔

شاخت اور سنت نبوی ﷺ

عارض انیس

اسلام کے مصادر میں سے دوسرا مصدر حدیث شریف ہے۔جس کی شرعی حیثیت کو کالعدم کرنے کے لیے ہمیشہ سے باطل افکار ونظریات برسر پیکار رہے ہیں۔جن لوگوں نے سب سے زیادہ حدیث پر اعتراضات کیے ہیں وہ مستشرقین ہیں اوران میں سے ایک مستشرق جوزف شاخت کی عنایت وتوجہ حدیث پر کچھ زیادہ رہی ہے۔اس مضمون میں جوزف شاخت کے افکارونظریات کی ہلکی سی جھلک پیش کی گئی ہے۔

سنت کی تعریف

سنت کے معنی راستہ کے آتے ہیں۔خواہ اچھا ہو یا برا،جیسا کہ خالد بن عتبہ الھذ لی نے کہا ہے:

فلاتجز من من سنة انت سرتها فأول واض سنة من يسيرها[1]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَى وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا. (الکھف:۵۵)

(لوگوں کے پاس ہدایت آ چکنے کے بعد انہیں ایمان لانے سے اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے صرف اسی چیز نے روکا کہ اگلے لوگوں کا سا معاملہ انہیں بھی پیش آئے یا ان کے سامنے کھلم کھلا عذاب آ موجود ہو جائے۔)

سنت کی اصطلاحی تعریف

سنت کے معنی میں علماء کے درمیان ان کے فنون ومقاصد کے اعتبار سے اختلاف ہوا ہے۔علماء حدیث نے رسول اللہ گورہنما مان کرسنت کی تعریف یوں کی ہے: نبی کریم ﷺ سے جو کچھ بھی منقول ہو آپ کے قول،فعل یا تقریر یا صفت خلقی وخلقی یا سیرت میں سے خواہ بعثت سے پہلے کی ہو یا بعثت کے بعد کی جیسے کہ آپ ؐ کا غار حرا

میں کٹ کر عبادت کرنا یا اس کے بعد بھی۔

اور علماء اصول نے انہیں شارع مان کر سنت کی یہ تعریف کی ہے: 'جو نبی کریمؐ سے منقول ہو آپ کے قول، فعل یا آپ کی خاموش اجازت میں سے۔'

سنت کی اہمیت

جب ہم اسلام میں سنت نبویہ کے مقام کو جاننا چاہیں تو ہم پر ضروری ہے کہ ہم اسلام کے اول ماخذ قرآن مجید کی جانب لوٹیں۔

قرآن مجید کی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی جانب سے معلم، مربی، پیشوا، رہ نما، اللہ تعالیٰ کے کلام کو واضح کرنے والے، شارع، قاضی، حاکم وفرماں روا تھے۔[۳]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْکَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ .(النحل:۴۴)

(ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر نازل کیا تا کہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح وتوضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اتاری گئی ہے۔)

دوسری جگہ فرمایا:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن کَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَکَرَ اللَّهَ کَثِيْراً .(احزاب:۲۱)

(یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ کو یاد کرتا ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت لازم قرار دیتے ہوئے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَطِيْعُواْ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ .(الانفال:۲۰)

(اے ایمان والو اللہ کا اور اس کے رسول کا کہا مانو۔)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو قاضی مقرر فرمایا، ارشاد ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاکَ اللّٰهُ

(النساء:۱۰۵)

(اے نبیؐ! ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے کہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی میں فیصلہ کرو۔)

یہ آیات اشارہ کرتی ہیں کہ رسول مجرد تبلیغ کے لیے نہیں بلکہ اس لیے بھیجے گئے تا کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ اس بات کی مزید توضیح اس آیت سے ہوتی ہے:

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۔ (الحشر: ۷)

(جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لے لو اور جد چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔)

یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ شریعت کا مصدر ایک ہے۔ یعنی رسول اللہؐ جس کو لے کر آئے اور اپنی امت کو جس کی تعلیم دی خواہ وہ قرآن ہو یا سنت اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی وحی میں سے ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى ۔ (النجم: ۳،۴)۔ وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی سنت سے بے نیازی برتنا ممکن نہیں اور حامل کتاب کا سنت سے کتاب کو الگ کرنا ممکن نہیں مگر یہ کہ وہ خود کتاب کا انکار کردے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اسی طرح قبول کیا جس طرح قرآن کو۔

پروفیسر جوزف شاخت کا تعارف

جوزف شاخت (۱۹۰۲ـ۱۹۶۹ء) جرمن برطانوی مستشرق ہیں۔ وہ ایک کیتھولک فیملی میں پیدا ہوئے اور جرمنی میں ہی انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں گاٹ ہیلف کا نام ملتا ہے۔ وہ آکسفورڈ لائیڈن اور کولمبیا یونی ورسٹی میں عربی اور اسلامیات کے پروفیسر رہے ہیں۔ اہل مغرب میں حدیث اور فقہ اسلامی میں تخصیص کی وجہ سے معروف ہیں۔ حدیث کے بارے میں انہوں نے اپنا نقطۂ نظر اپنی کتاب 'محمدی فقہ کے مصادر' (Origin of Muhammadan Jursprudence) میں پیش کیا جو ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی۔ ۱۹۶۴ء میں فقہ اسلامی کے بارے میں ان کی کتاب 'فقہ اسلامی کا تعارف' (An Introduction to Islamic law) شائع ہوئی۔ حدیث میں انہوں نے Common link Theory) کا تصور پیش کیا۔

شاخت حدیث کے بارے میں اپنے پیش رو گولڈزیہر کے افکار سے متاثر ہیں۔ انہوں نے اپنی

کتاب کے مقدمہ میں یہ لکھا ہے کہ ان کی کتاب کا اصل مقصد گولڈزیہر کے نقطۂ نظر کو تقویت دینا اور قانونی وفقہی احادیث کا ماخذ امام شافعیؒ کے زمانے کے بعد ثابت کرنا ہے۔

جوزف شاخت کا مقام

فقہ اسلامی کے بارے میں شاخت کا نقطۂ نظر مغرب میں اس قدر مقبول ہوا کہ مستشرقین کی ایک بڑی جماعت نے اسے بہت زیادہ سراہا۔ ہیملٹن گب کا کہنا ہے کہ شاخت کا یہ کام کم از کم مغرب میں اسلامی قانون اور تہذیب میں کسی بھی قسم کی مزید تحقیق کے لیے ایک مصدر بن گیا ہے۔

کیولسن کا خیال ہے کہ شاخت نے اسلامی قانون کے بارے میں ایک ایسی تحقیق پیش کر دی ہے جس کو چیلنج کرنا ناممکن امر ہے۔

شاخت کے نقطۂ نظر کے بارے میں مستشرقین اس قدر متعصب ہو گئے تھے کہ جب امین المصری مرحوم نے یونی ورسٹی آف لندن میں اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کے لیے شاخت کی تحقیقات کا تنقیدی جائزہ لینے کا موضوع پیش کیا تو وہ اس وجہ سے نامنظور کر دیا گیا کہ شاخت کی تحقیق ناقابل تنقید ہے۔

یہاں تک کہ انہیں خاتمۃ المحققین کا بھی لقب دیا جاتا ہے۔

شاخت کے اعتراضات کا تجزیہ

ا۔ شاخت کے نقطۂ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام (ﷺ) کا نہ تو کوئی نیا قانونی نظام وضع کرنے کا پروگرام تھا۔ نہ ہی دین اسلام میں محمدؐ کے پاس کوئی قانونی حیثیت تھی اور نہ ہی وہ منبع قانون تھے۔

شاخت کا یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْکَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَکَّرُونَ. (النحل:۴۴)

(ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے وہ چیز کھول کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے اور تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔)

بیان کے معنی کھولنے اور واضح کرنے کے ہیں اور اس کا استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے۔ ایک اعلان اور اظہار کے معنی میں یعنی اخفا کے برخلاف۔ دوسرے توضیح اور تفسیر کے معنی میں۔ سیاق وسباق کے

ذریعہ یہ معلوم کیا جائے گا کہ یہ لفظ ان دو معنوں میں سے کس کے لیے اس موقع پر استعمال ہوا ہے۔ جیسے سورۂ مائدہ میں ہے: يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيراً مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ۔(المائدۃ:۱۵) اے کتاب والو! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا کہ کتاب کی جو باتیں تم چھپاتے ہو وہ ان کو تمہارے لیے ظاہر کردے اور زہت سی باتوں سے درگزر کرے۔ اس آیت میں بیان لفظ صریح طور سے اخفا کے مقابلے میں آیا ہے۔ اس لیے یہاں یقینی طور پر اعلان اور اظہار مراد ہے لیکن یہی لفظ سورۂ نحل میں اس طرح آیا ہے: وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُواْ فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۔(النحل:٦٤) اور ہم نے تجھ پر کتاب اسی لیے اتاری ہے کہ جن چیزوں میں وہ اختلاف کررہے ہیں تو اسے واضح کردے اور ایمان والوں کے لیے یہ رحمت اور رہنما ہے۔

اختلاف کے مقابلے میں اظہار و اعلان کی نہیں بلکہ توضیح اور تشریح کی ضرورت ہے تاکہ وضاحت اور تفصیل کے ذریعہ اختلاف کو دور کیا جاسکے۔ مذکورہ آیت میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے، اس لیے کہ اس کا مقصد غور و فکر کرنا ہے اور غور و فکر کے لیے وضاحت و تفصیل کی ضرورت ہے نہ کہ اعلان اور اظہار کی۔ اس لیے کہ پوشیدہ معاملہ کو ظاہر کرنا سننے اور ماننے کے لیے تو مناسب ہوسکتا ہے مگر سوچنے کے لیے نہیں۔[۴]

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنزَلَ اللّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّهِ عَلَيْكَ عَظِيماً. (النساء:۱۱۳)

(اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی اور وہ سکھایا جسے تو نہیں جانتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ نبیؐ پر کتاب کے علاوہ ایک چیز حکمت بھی نازل کی گئی اور یہ ایک ایسی چیز تھی جسے آپ لوگوں کو سناتے تھے اور سکھاتے تھے۔

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

''حکمت سے مراد بالاجماع سلف سنت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے پاکر جو خبر دی اور اللہ نے رسول کی زبان سے جو خبر دی دونوں کی تصدیق یکساں واجب ہے کیوں کہ یہ اہل اسلام کا بنیادی اور اتفاقی مسئلہ ہے۔ اس سے انکار وہی کرے گا جو ان میں سے نہیں۔[۵]

۲۔شاخت کا خیال ہے کہ ایک بھی قانونی یا فقہی حدیث ایسی نہیں ہے جو پیغمبر اسلامؐ سے مروی ہو بلکہ یہ مسلمان علماء کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے ہزاروں قانونی اور فقہی احادیث پر مشتمل ذخیرہ وضع کر کے ایک عظیم اسلامی قانون کی بنیاد رکھی۔اس نے یہ بھی لکھ دیا کہ خلفائے راشدین کے دور میں کوئی قاضی نہیں تھا۔

شاخت کا یہ نظریہ مغالطے پر مبنی ہے کیوں کہ خود ایک خط میں آپؐ نے حضرت عمروؓ بن حزام کو تمام معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ کے حکم کے مطابق حق بات کا فیصلہ کریں۔٦

خود صحابہ کرامؓ کا بھی یہی عمل رہا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت معاذؓ کو لکھا کہ آپ لوگ نیک لوگوں کو نظر میں رکھیں اور ان کو عہدۂ قضا پر مامور کریں اور باضابطہ ان کو تنخواہیں دیں۔ ۷

آپؐ نے عمرؓ بن حزم کے علاوہ بھی بہت سے صحابۂ کرام کو قضاء کے منصب پر فائز کیا جیسے معاذ بن جبلؓ، معقل بن یسارؓ، عمرو بن العاصؓ، حضرت موسیٰ اشعریؓ، ابی بن کعبؓ، حذیفہؓ بن الیمان، دحیۃ الکلبیؓ، زیدؓ بن ثابتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمرؓ بن الخطاب، عتاب بن اسیدؓ، عقبہ بن عامرؓ، علی بن طالبؓ۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے اپنے امراء کو حکم دیا کہ وہ قضا کے منصب کو لوگوں کے درمیان قائم کریں۔۸

اسی طرح حضرت عمرؓ بن خطاب اور حضرت علیؓ کی فقہی رایوں کی تدوین کی گئی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی فقہ کو باقاعدہ مرتب کیا گیا۔۹

ان تمام دلائل کی موجودگی میں شاخت کی بات کو درست کیسے کہا جا سکتا ہے؟

۳۔شاخت فقہی یا قانونی احادیث کی اسناد کے تعلق سے کہتا ہے کہ اس کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے، جن علماء نے اپنے مکتبۂ فکر کی تائید میں احادیث وضع کی تھیں انہوں نے ان کی اسناد بھی وضع کر لی۔

اپنے اس نقطۂ نظر کو ثابت کرنے کے لیے اس نے مختلف مثالیں دی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:

شاخت کا خیال ہے کہ ابن سیرین کے اس قول میں:

" لم يكونوا يسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة، قالوا سموا لنا رجالكم فينظر الى اهل السنة فيوخذ حديثهم وينظر الى البدع فلا يوخذ حديثهم." ١٠

(لوگ اسناد کے متعلق نہیں پوچھتے تھے لیکن جب فتنہ واقع ہو گیا تو صحابہ اور تابعین نے کہا اپنے راویوں کی تعیین کرو تو دیکھا جاتا تھا کہ وہ اہل سنت میں سے ہے یا اہلِ بدعت میں سے اگر اہل سنت میں سے ہوتا تو اس کی حدیثیں لی جاتیں اور اگر اہل بدعت میں سے ہوتا تو نہ لی

جاتیں۔)

اس میں جو فتنہ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس سے مراد ۱۲۶ھ میں ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان کا قتل ہے۔ چوں کہ ابن سیرین کا انتقال اس سے پہلے ہو گیا تھا اس لیے اس کلام کی نسبت ابن سیرین کی جانب جعلی ہوگی۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہاں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی بنیاد پر ہم یہ قبول کریں کہ سند کا آغاز دوسری صدی ہجری سے پہلے ہو گیا تھا۔ دراں حالیکہ خود ابن سیرینؒ کا قول ہے:

قال ایوب السخانی عن ابن سیرین قال هاجت الفتنة واصحاب رسول الله ﷺ. عشرة آلاف فما خف لها منهم مائة، بل لم يبلغوا ثلاثين فهذايقوله محمد بن سيرين مع ورعه الباهر فی منطقه."[۱۱]

(فتنہ بھڑک اٹھا دراں حالیکہ اصحاب رسولؐ کی تعداد دس ہزار رہی ہوگی تو فتنہ کی وجہ سے ان میں سے سو بھی کم نہیں ہوئے ہوں گے بلکہ ان کی تعداد تیس تک بھی نہیں پہنچی ہوگی۔ یہ محمد بن سیرینؒ کا قول ہے دراں حالیکہ وہ اپنی گفتار میں بے حد متقی تھے۔)

۴۔ شاخت اصح الاسانید پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مسلمان علماء کے ہاں (مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمر) ایک ایسی سند ہے جسے بہت زیادہ مستند (Golden Chain) شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ امام نافعؒ کی وفات تقریباً ۱۱۷ھ میں ہوئی جب کہ امام مالکؒ ایک لڑکے تھے لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب مؤطا میں نافع سے بیان کردہ روایات اتنی چھوٹی عمر میں ان سے لکھی ہوں۔

اس کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ امام مالکؒ کی سن پیدائش کے بارے میں کوئی صحیح روایت ثابت نہیں ہے۔ شاخت کی یہ بات سراسر غلط ہے۔ اگر محدثین کے تراجم یا طبقات کی کسی کتاب کی جانب شاخت نے رجوع کیا ہوتا تو وہ پاتے کہ مختلف علماء نے جن میں امام مالک کے ہم عصر علماء بھی شامل ہیں صراحت کی ہے کہ امام مالک ۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ۹۴ھ کے آغاز میں اور بعض کہتے ہیں ۹۰ھ میں۔ چند ایک نے ۹۷ھ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ کسی نے ۹۷ھ کے بعد کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ اگر اس آخری رائے کو بھی مان لیا جائے تو نافع کے انتقال کے وقت امام مالک کی عمر ۲۰ سال کی ہوگی۔ مؤطا میں کل موصول روایات نافع کے واسطے سے ۸۰ ہیں۔ جو پندرہ صفحے پر لکھی جاسکتی ہیں۔ اور لگ بھگ اتنے ہی آثار بھی ہوں گے، خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک نے نافع سے جو بھی استفادہ کیا اس کو ۳۰ صفحات میں سمیٹا جاسکتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ دونوں

مدینہ ہی میں تھے اور امام مالک نے حلقۂ درس کے علاوہ بھی ہر ممکن لمحے میں نافع سے استفادہ کرنے کی کوشش کی تو آخر ۳۰ صفحات پر مشتمل یہ علم کیوں مشتبہ قرار پائے گا۔ جب کہ اس عمر میں لوگ کسی بھی علم میں جس میں انہوں نے محنت کی ہو ماہر ہو جاتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شاخت کے اعتراضات گرچہ بظاہر بہت اہم اور محقق نظر آتے ہیں، لیکن اگر ذرا بھی دقت رسی سے ان پر نظر کی جائے تو ان کی بے وقعتی و بے ثباتی بالکل عیاں ہو جاتی ہے۔ لہٰذا آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دین کا صحیح اور پختہ علم حاصل کریں تا کہ ان کے شکوک سے متزلزل نہ ہوں اور مخالفین کے اصول و مبادی پر بھی نظر رکھیں تا کہ ایک قدم بڑھ کر ان پر اعتراضات کیے جائیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ امت کو مستشرقین اور ان سے متاثر مستغربین کے شرور سے دور رکھے۔ آمین۔

حواشی و مراجع

۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ص۳۹۹۔

۲۔ ابوالعلا محمد بن عبدالرحمٰن، تحفۃ الاحوذی، ص۱۲۔

۳۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، سنت کی آئینی حیثیت، ص۸۵۔

۴۔ سیرت النبی ۴/۳۳۲۔

۵۔ کتاب الروح: ۹۲۔

۶۔ الوثائق السیاسیۃ، حمید اللہ، ص۱۰۵۔

۷۔ سیر اعلام النبلاء: ج۱، ص۳۲۶۔

۸۔ الوثائق السیاسیۃ، حمید اللہ وثیقہ۔ ص۳۲۷۔

۹۔ طبقات ابن سعد، ج۵، ص۱۳۳۔

۱۰۔ الصحیح مسلم ۱/۱۵۔ الکامل، ابن عدی ۱/۱۳۹۔

۱۱۔ المنتقی من منہاج الاعتدال، تقی الدین احمد ابن تیمیہ، اختصرہ حافظ ذھبی، ص۴۰۴۔

جمہوریت کے پیمانے پر بھارت کا رینک کیوں گرا؟

رویش کمار

مترجم: محمد اسعد فلاحی

پوری دنیا میں بھارت کی شناخت کا اگر کوئی برانڈ امبیسڈر رہے تو وہ بھارت کی جمہوریت ہے۔ جمہوریت ہماری شناخت کا پرچم رہا ہے۔ دم خم رہا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کی راہ میں چیلنجز آئے ہیں، مگر یہاں کے لوگ جو کبھی اسکول نہیں گئے، جنہیں کبھی نظام سے کچھ نہیں ملا، جو ہر طرح کی تکلیف میں ہیں، ویسے لوگوں نے بھی جمہوریت کا پرچم نیچے نہیں گرنے دیا ہے۔ 1947 میں ہم ایک غریب ملک کے طور پر آزاد ہوئے۔ جب تقسیم کی وجہ سے لاکھوں لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے، تب بھی آئین ساز اسمبلی کے ہمارے بزرگ سوچ سمجھ کر بات چیت کرتے ہوئے آئین کو مرتب کر رہے تھے۔ ہم بڑی معیشت نہیں تھے جب 1950 میں آئین نافذ کیا۔ ہم کوئی سپر پاور نہیں تھے، جب 1951 میں پہلا انتخاب ہوا۔ ایمرجنسی میں تو ہر غریب جمہوریت کے لیے لڑ گیا۔ جیل بھری ہوئی تھی۔ اس جنگ کے نام پر اپنی سیاست بنانے والوں کے دور میں بھارت کی جمہوریت ڈیموکریسی انڈیکس پر 10 پوائنٹس نیچے گر گیا ہے۔ دی اکانومسٹ 1843 جرنل کی ہے۔ اس میگزین نے 2006 میں ایک ڈیموکریسی انڈیکس بنایا۔ 2019 کا سال ڈیموکریسی کے لیے سب سے بُرا سال بتایا گیا ہے۔ کیا شہریت قانون اور رجسٹر کی مخالفت میں دنیا بھر میں ہو رہے مظاہروں کی وجہ سے بھی بھارت کی تصویر کو نقصان پہنچا ہے؟

بھارت کی میڈیا سے دور نیوزی لینڈ کے آکلینڈ شہر میں 19 رجنوری کو شہریت قانون اور رجسٹر کی مخالفت میں جب مارچ نکلا تو اس میں وہاں کی گرین پارٹی کی رکن پالیمنٹ بھی آئیں اور بھارت سے خطاب کیا۔ نیوزی لینڈ کے مقامی لوگ بھی اس مارچ میں شامل تھے۔ اس کی کارکردگی کو لے کر ڈاکٹر سپنا سامنت نے ایک پریس ریلیز جاری کی ہے، جس میں لکھا ہے کہ ''یہ قانون ہندوستان کے آئین کی روح کے خلاف ہے۔''

آسام میں این آر سی نافذ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو کافی تکلیفوں سے گزرنا پڑا ہے۔ان مظاہروں کے بینرز اور پوسٹرز پر فاشزم لکھا ہے۔ نیوزی لینڈ کے لوگ فاشزم کے خلاف ہیں۔ بھارت سب کا ہے۔ جامعہ، جے این یو اور اے ایم یو کے طالب علموں کے ساتھ ہمدردی دکھائی گئی ہے۔ یونیورسٹیز پر حملے کو روکنے کی بات ہے۔ دو گھنٹے تک چلے اس مارچ میں جو بینر اور پوسٹر ہیں وہ بھارت کی اچھی تصویر تو پیش نہیں کر رہے ہیں۔لیکن ایک بار سوچنا تو چاہیے کہ اس قانون نے لوگوں کو کتنا خوف زدہ کیا ہے کہ جگہ جگہ لوگ سڑکوں پر اتر رہے ہیں۔ایک بینر پر لکھا ہے کہ کہیں بھی ناانصافی ہو، وہ انصاف کے لیے خطرہ ہے۔اس پوسٹر کو پڑھ کر شاید شہریت رجسٹر اور قانون کی بحث بدل جائے۔اس پر یہی لکھا ہے کہ کوئی بھی انسان غیر قانونی نہیں ہے۔کیا ان لوگوں نے بھی شہریت قانون کو نہیں سمجھا، ان میں سے کئی بھارتی نیوزی لینڈ کی شہریت لے کر شاندار زندگی گزار رہے ہیں، ایسے لوگ بھی تو شہریت کو لے کر کچھ سمجھ رکھتے ہوں گے۔ مظاہرین نے کہا کہ ہندوستانی ہونے کا مطلب صرف ہولی دیوالی، بھنگڑا، ساڑی اور سموسہ ہی نہیں ہے۔انہوں نے نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس قانون کی مذمت کریں اور دنیا کو متوجہ کرائیں۔ نیوزی لینڈ کی ممبر پارلیمنٹ نے اس مارچ سے خطاب کیا۔دی اکانومسٹ کی ڈیموکریسی رینکنگ میں نیوزی لینڈ کا مقام دنیا بھر میں چوتھا ہے۔

ان مظاہروں سے بھلے ہی وزیر داخلہ امت شاہ بے چین نہیں ہیں۔انہوں نے ڈنکے کی چوٹ پر کہا ہے کہ قانون واپس نہیں ہوگا۔لیکن اس کی مخالفت میں جو ڈنکا بج رہا ہے اسے بھی سننے کی ضرورت ہے۔ دی اکانومسٹ نے ہندوستان کی رینکنگ خراب ہونے کی وجوہات میں آسام کی این آر سی کے ساتھ شہریت قانون کو بھی ایک وجہ مانا ہے۔ایک میگزین نے دنیا کے ملکوں کے لیے پیمانے طے کیے ہیں۔سب کچھ آنکھ بند کر یقین کرنے کی جگہ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ یہ تو صحیح ہے کہ پوری دنیا میں جمہوریت خطرے میں ہے۔سوشل میڈیا ہیک کر کے الیکشن جیتے جا رہے ہیں۔انتخابی عمل کو لے کر چاروں طرف تنازعہ ہے اور جمہوریت سمٹتی جا رہی ہے۔ ایسے حالات میں ایسی رینکنگ کو دیکھ کر محتاط تو ہونا ہی چاہیے۔ دی اکانومسٹ نے اس کے لیے 167 ممالک میں جمہوریت کی پیمائش کے لیے پانچ پیمانے بنائے ہیں۔انتخابی عمل، شہری آزادی، حکومت کے کام کاج، سیاسی شرکت اور سیاسی ثقافت۔ان پانچ کیٹگری کے اندر اندر مختلف 60 پیمانوں پر نمبر دیے گئے ہیں۔اس کے بعد تمام 167 ممالک کو چار مختلف قسم کی نظام حکومت میں تقسیم کیا گیا ہے۔مکمل جمہوریت، کم زور جمہوریت، مخلوط اقتدار اور خود مختار نظام۔

سوچیے مکمل جمہوریت کی کیٹگری میں بھارت کا مقام نہیں ہے۔کل 22 ملک ہی آ سکے جن کی کل آبادی 43 کروڑ کے آس پاس ہے۔ پہلے نمبر پر ناروے ہے۔اسے 10 میں سے 9۔87 پوائنٹس ملے ہیں۔اس کے بعد آئس لینڈ،سویڈن، نیوزی لینڈ،فن لینڈ،آئر لینڈ، ڈنمارک،کینیڈا،آسٹریلیا ہیں۔سوئزرلینڈ، ہالینڈ، لگزمبرگ، جرمنی، برطانیہ، یوراگوئے،آسٹریا جیسے ملک ہیں۔ پھر پڑوسی ملک ماریشس ہے،اس کے بعد اسپین،کوسٹاریکا،فرانس، چلی اور پُرتگال کو پہلے 22 میں مقام ملا ہے۔

شہری حقوق کے خلاف ورزی کی وجہ سے بھارت کی رینکنگ گر گئی ہے۔ 10 نمبر میں سے بھارت کو صرف 6۔9 پوائنٹس ملے ہیں۔کوریا، جاپان،امریکہ ناقص جمہوریت کی کیٹگری میں ہیں۔جنوبی کوریا کو بھی بھارت سے بہتر پوائنٹس ملے ہیں۔

11 ایسے ملک ہیں جہاں جمہوریت میں سب سے زیادہ کمی ہوئی ہے۔ان میں سے ایک نام بھارت کا ہے۔ بھارت کی پوزیشن جمہوریت کے انڈیکس پر کیوں خراب ہوئی ہے۔اس پر The Economist Intelligence Unit نے لکھا ہے کہ شہری حقوق کے خلاف ورزی کو سب سے بڑی وجہ بتایا گیا ہے۔ جموں کشمیر سے آئین سے ملے خاص درجے کو چھین لینا۔ دفعہ 370 ہٹانے سے پہلے جموں وکشمیر میں بھاری تعداد میں فوج کی تعیناتی،انٹرنیٹ پر روک لگا دی گئی، بڑی تعداد میں مقامی لیڈروں کو نظر بند کر دیا گیا۔ بھارت نواز لیڈروں کو بھی نظر بند کیا گیا ہے۔ بھارت کو سیاسی ثقافت میں سب سے کم پوائنٹس ملے ہیں۔

جمہوریت کی ایک بڑی تنظیم ہے پریس۔ رپورٹر Without Border ہر سال پریس کی آزادی کی رینکنگ ہٹاتا ہے۔جو ملک پریس کی آزادی کے معاملے میں پہلے پانچ ممالک میں آتے ہیں انہی ممالک کا نام سب سے جمہوری ممالک میں آیا ہے۔اس رینکنگ میں بھارت کا مقام دنیا کے 180 میں 140واں ہے۔ پہلے سے دو پوائنٹس گرے ہی ہے۔شہری حقوق کے خلاف ورزی کی وجہ سے بھارت کی رینکنگ گری ہے۔ 19 دسمبر کے آس پاس یوپی بھر میں شہریت قانون کے مخالفین پر پولیس کی کارروائی کو لے کر سنجیدہ سوال اٹھے ہیں۔نوجوانوں کی ٹیم حقائق کا پتہ لگانے گئی تھی،جس نے واپس آ کر دہلی میں ایک پریس کانفرنس کی۔

اس رپورٹ کو تیار کرنے کے لیے 30 مختلف یونیورسٹی سے طالب علموں کی ٹیم نے یوپی کے 15 شہروں کا دورہ کیا ہے جہاں پرتشدد ہوا ہے۔ان طلباء نے متاثر لوگوں سے بات چیت کی ہے اوران کا بیان ریکارڈ کیا ہے۔ پریس کلب میں تحریری بیان کے ساتھ ویڈیو بھی جاری کیا گیا۔اس رپورٹ کو تیار کرنے کے

لیے 60 سے زائد طالب علم مختلف حصوں میں گئے تھے۔ اس میں بی ایچ یو، دہلی یونیورسٹی، جے این یو، جامعہ، آئی آئی ٹی اندور، امبیڈکر مرکزی یونیورسٹی لکھنؤ، الہ آباد یونیورسٹی، آئی آئی ایم احمد آباد اور ادے پور، آئی آئی ٹی گوالیار، بھارتی ماس ادارے، آئی پی یونیورسٹی، کانپور یونیورسٹی، ساگر یونیورسٹی مدھیہ پردیش، FTII پونے، وردھا یونیورسٹی، ٹِس حیدرآباد، عظیم پریم جی یونیورسٹی بنگلور کے طالب علموں نے دورہ کر یہ رپورٹ تیار کی ہے۔ انڈین ایکسپریس نے شائع کیا ہے کہ 20 دسمبر کے تشدد کے بعد 13 لوگ عدالتی حراست میں ہیں۔ قتل کی کوشش کے الزام میں 6 ایف آئی آر میں لکھا ہے کہ ملزم نے جرم کا اعتراف کرلیا ہے کہ غیر قانونی ہتھیار سے گولی چلائی۔ جبکہ ایکسپریس نے ہی شائع کیا تھا کہ 6 پوسٹ مارٹم میں کوئی گولی نہیں ملی تھی۔ فیروز آباد کو لے کر طالب علموں کی رپورٹ میں کہا گیا 20 دسمبر کو پرامن مظاہرہ ہورہا تھا۔ پولیس نے لاٹھی چارج کیا، بھگدڑ مچی اور پولیس نے گولی چلائی۔ پولیس نے اس کے بعد ان علاقوں کو نشانہ بنایا جہاں مظاہرے ہو ہی نہیں رہے تھے۔ 14 لوگوں کو گولی لگی جس سے 7 کی موت ہوئی ہے۔ اس رپورٹ میں کہا گیا کہ یوپی بھر میں پولیس کی کارروائی میں غریب طبقے کے مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ جن میں مزدور اور ڈھابے میں کام کرنے والے لوگ تھے۔

سرکاری ہسپتال کا ڈاکٹر کس طرح علاج سے انکار کرسکتا ہے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو یہ انتہائی سنگین بات ہے۔ ان باتوں کی پریس میں رپورٹنگ کم ہے، کیوں کہ آپ جانتے ہیں ٹی وی چینلز کا سارا حصہ ڈبیٹ سے بھرا رہتا ہے۔ سپریم کورٹ نے شہریت ترمیم قانون پر روک لگانے سے فی الحال انکار کر دیا ہے۔ کورٹ نے حکومت سے چار ہفتوں کے اندر اندر درخواستوں پر جواب مانگا ہے۔ مرکزی حکومت نے جواب داخل نہیں کیا۔ مرکز کے وکلاء کا کہنا تھا کہ 60 نئی عرضیاں آگئیں ہیں، جن کے جواب کی تیاری کے لیے وقت چاہیے۔ آج جب ان درخواستوں پر سماعت کے لیے تین ججوں کی بنچ بیٹھی تو سننے کے لیے بڑی تعداد میں لوگ پہنچ گئے تھے۔ چیف جسٹس کو سیکورٹی اہلکاروں کو بلانا پڑا۔ اسی پر بحث ہونے لگی کہ جو بھیڑ آئی ہے اسے کیسے روکا جائے۔ کپل سبل نے کہا کہ فوری سماعت ہونا چاہیے۔ ابھیشیک منوسنگھوی نے کہا کہ یوپی میں شہریت ترمیم قانون کے تحت کام بھی شروع ہوگیا ہے، جس پر روک لگنی چاہیے، کیوں کہ قوانین کا پتہ نہیں۔ سبل اور سنگھوی نے آئینی بنچ کو معاملہ بھیجے جانے کا مطالبہ کیا۔ کورٹ نے صاف کہا کہ وہ یک طرفہ روک نہیں لگا سکتا۔

اس سماعت کو دیکھتے ہوئے گوہاٹی یونیورسٹی مکمل طور سے بند تھی۔ 10 دسمبر کے بعد پہلی بار یونیورسٹی بند ہوئی ہے۔ یہی نہیں شمال مشرق کی دس یونیورسٹی بھی بند رہی ہے۔ شیلانگ کی نیہو اور اٹانگر کی راجیو گاندھی

یونیورسٹی بھی بند رہی۔ آسام کی کپاس یونیورسٹی بھی بند رہی۔ سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ آسام اور تری پورہ کی درخواستوں کو الگ کیٹگری میں سنا جائے گا۔ اسے یہ طالب علم اپنی اخلاقی جیت کے طور پر دیکھ رہے ہیں۔ دو ماہ سے شمال مشرق کے طالب علم تحریک چلا رہے ہیں۔ منگل کو امت شاہ نے کہا تھا کہ شہریت قانون واپس نہیں لیا جائے گا تو طلباء اور بھی غصے میں آ گئے۔ بی جے پی واپس جاؤ کے نعرے لگائے۔

آسام کے علاوہ دارجلنگ میں یہ مسئلہ مختلف ہے۔ آسام میں جو شہریت رجسٹر کی عمل آوری ہوئی تھی اس میں ایک لاکھ گورکھا چھوٹ گئے تھے۔ کئی ہزار گورکھا مشتبہ ووٹر لسٹ میں آ گئے تھے۔ مغربی بنگال کی وزیر اعلی نے دارجلنگ میں مارچ کیا۔ بھانو عمارت سے لے کر چوک بازار تک مارچ کیا۔ یہ جگہ دارجلنگ کے درمیان ہے۔ چار کلومیٹر تک ہوئے اس مارچ میں ہزار سے زیادہ لوگوں نے مارچ کیا۔ مارچ میں خواتین روایتی لباس میں حصہ لینے آئیں۔ ممتا بنرجی نے ہندی، انگریزی اور پڑھ کر نیپالی میں تقریر کی۔ شہریت ترمیم قانون نیشنل پاپولیشن رجسٹر اور شہریت رجسٹر کی مخالفت کی۔ گورکھا نیشنل لبریشن فرنٹ نے ممتا بنرجی کی تحریک کو اپنی حمایت دی ہے۔ اس شرط پر کہ اگر اس علاقے کو چھٹے انوسوچیت میں ڈال دیا جائے۔ انہوں نے مرکز سے سوال کیا کہ آسام میں ہوئی این آر سی کے عمل میں سے ایک لاکھ گورکھا لوگوں اور تیرہ لاکھ ہندوؤں کو شامل کیوں نہیں کیا گیا۔ ادھر بنگال کے کو یوہار اور اعلی ردوار میں بی جے پی صدر دلیپ گھوش نے بھی شہریت حمایت قانون کی حمایت میں ریلی کی ہے۔

بہار کے کئی حصوں میں احتجاج پھیل گیا ہے۔ کشن گنج میں بھی 20 دن سے خواتین دھرنے پر بیٹھی ہیں۔ مظفر پور کے مرتضیٰ کمپلیکس میں بھی کئی دنوں سے خواتین کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ پٹنہ کے کئی حصوں میں بھی شہریت قانون کی مخالفت میں شاہین باغ بن گیا ہے۔ منگل تالاب، پھلواری شریف میں بھی دھرنا چل رہا ہے۔ سبزی باغ پہلے سے باغ ہے پھر بھی یہاں کا دھرنا شاہین باغ کہا جا رہا ہے۔ دس دنوں سے یہاں ہو رہے مظاہرے میں خواتین کی شرکت دیکھ کر پٹنہ کے صحافی بھی حیران ہیں۔ کبھی بھی کسی بھی کمیونٹی کی خواتین اس طرح پٹنہ کی تحریک میں شامل نہیں ہوئیں۔

(بشکریہ این ڈی ٹی وی انڈیا ڈاٹ کام۔)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Anjuman Talaba-e-Qadeem Jamiatul Falah | **انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح**

Ref No. .... Date ....

۳۰/جنوری ۲۰۲۰ء

بنام ممبران مجلس شوریٰ انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

برادر محترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کی رواں میقات کا یہ آخری سال ہے۔ ۲۹،۲۸/مارچ ۲۰۲۰ء کو منتخب ممبران نمائندگان کا اجلاس مادر علمی میں ہونا طے پایا ہے۔

اجلاس نمائندگان سے پہلے انجمن کی شوریٰ کا اجلاس بھی ہونا ہے۔ جس میں آپ سے شرکت کی گزارش کی جاتی ہے۔ ایجنڈا حسب ذیل ہے:

۱۔ تذکیر: مولانا اسماعیل فلاحی صاحب

۲۔ افتتاحی کلمات: صدر انجمن مشرف حسین صدیقی صاحب

۳۔ سابقہ روداد کی خواندگی

۴۔ نمائندگان کے انتخاب کے سلسلے میں انچارج کی سفارشات۔

۵۔ انجمن رپورٹ۔

۶۔ بیلنس شیٹ وآڈٹ رپورٹ: خازن

۷۔ دستوری ترامیم کے لیے تجاویز پر غور

۸۔ دیگر امور باجازت صدر

نوٹ: شوریٰ کا اجلاس ۲۸/مارچ ۲۰۲۰ء کو جامعۃ الفلاح میں ہوگا، یہ اجلاس نماز ظہر کے بعد شروع ہوگا اور مغرب تک جاری رہ سکتا ہے۔ آپ حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ اپنے طور پر آمد ورفت کا رزرویشن اس طرح کرالیں کہ پورے پروگرام میں شرکت یقینی ہو سکے۔

والسلام

انعام اللہ فلاحی

سکریٹری انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

Bilariyaganj, Azamgarh, U.P. 276121
atq.jamiatulfalah@gmail.com | www.atqjamiatulfalah.org

مولانا محمد علی مونگیریؒ کا عہد

اور اس وقت کے سیاسی حالات

شاہد حبیب

حضرت مولانا محمد علی مونگیری (۲۸ ؍جولائی ۱۸۴۶۔ ۱۳ستمبر ۱۹۲۷) کا شمار اسلامیانِ ہند کے نابغۂ روزگار شخصیات میں ہوتا ہے۔ انہوں نے جس زمانے میں آنکھیں کھولیں، وہ سیاسی اعتبار سے کافی اتھل پتھل بھرا زمانہ تھا۔ دہلی میں مغلیہ سلطنت کے آخری چراغ بہادر شاہ ظفر (زمانۂ حکومت: ۲۸ ؍ستمبر ۱۸۳۷ تا ۱۶ ؍ستمبر ۱۸۵۷) کسمپرسی کی زندگی جینے پر مجبور کردیے گیے تھے تو لکھنؤ میں نوابانِ اودھ اپنے وقار کی جنگ لڑ رہے تھے۔ لارڈ ویلزلی کی اختراع 'آپسی تعاون کا معاہدہ' (Doctraine of Subsidiary) پر دستخط کرکے نوابانِ اودھ ۱۸۰۱ سے ہی ایک اپاہج ریاست کو اپنے کندھوں پر ڈھور ہے تھے لیکن امجد علی شاہ (زمانۂ حکومت: ۷ ؍مئی ۱۸۴۲ تا ۱۳ ؍فروری ۱۸۴۷) کا زمانہ آتے آتے یہ اپاہج ریاست مردہ لاش میں تبدیل ہوگئی تھی۔ انگریز ریزیڈنٹ کی شہ رگ پر پکڑ اتنی سخت ہوگئی تھی کہ مرضی سے سانس لینا بھی دشوار ہو گیا تھا۔ وہیں دوسری طرف برٹش ریاستوں کے سربراہ گورنر جنرل لارڈ ہارڈنگ (زمانۂ حکومت: ۱۸۴۶۔ ۱۸۴۸) امن وامان کے اصولوں اور معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر سکھوں سے جنگ کرکے ان کی طاقت کے خاتمے پر تلے ہوئے تھے۔ انہی حالات میں ۲۸ ؍جولائی ۱۸۴۶ء کو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے سلسلۂ نسب میں کانپور (اتر پردیش) میں سید عبدالعلی کے گھر میں ایک بچے کی پیدائش ہوتی ہے، نام رکھا جاتا ہے محمد علی۔ یہی محمد علی آگے چل کر رد عیسائیت، اتحاد علماء اور ندوۃ العلماء، ردّ قادیانیت اور تمام مسلمانوں کو ایک امارت کے نیچے جمع کرنے کی کوششیں کرنے والوں کے سرخیل کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔

حضرت مولانا مونگیری کی پیدائش سے ۳۳ ؍سال قبل ہی ان کے میدانِ کار کے راستے کو پرخار بنانے کی سازش شروع ہوگئی تھی۔ ۱۸۱۳ کے چارٹر ایکٹ میں برطانوی سامراج نے عیسائی مشنریوں کو بھارت میں عیسائیت کی تبلیغ کی اجازت دے دی تھی۔ نتیجے میں عیسائی مشنز کی بھارت میں آمد کا تانتا لگ گیا تھا۔ جن

دنوں حضرت مولانا مونگیری کان پور کے مدرسہ فیض عام سے وابستہ تھے، انہی دنوں صرف کانپور میں ۹ رمشنز مسلمانوں کو ان کے عقیدے سے پھیرنے کی کوششوں میں پوری تن دہی کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ ان حالات میں شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی جیسے عالمِ ربانی کے ہاتھوں پر بیعت کی ہوئی اس شخصیت کے لیے کیسے ممکن تھا کہ وہ عیسائی مشنریوں کو اپنے ناپاک مقاصد میں کامیاب ہونے کی کھلی چھوٹ دے دیتے! چنانچہ حضرت مونگیری نے اس کے خلاف ایک محاذ کھول دیا اور تحفۂ محمدی اور ان جیسی پچاس سے زائد کتابوں کی تصنیف و تالیف کر کے ان مشنز کے پائے استقامت کو نہ صرف متزلزل کیا بلکہ لاکھوں مسلمانوں کے عقیدے و ایمان کے تحفظ کا سبب بھی بنے۔ اپنی گفتگو اور ملاقاتوں کے ذریعے بلاواسطہ اور اپنی کتابوں کے ذریعے بالواسطہ یہ انتظام کیا کہ کوئی بھی شخص لاعلمی، بہلاوے یا کسی مادی فائدے کے لیے عیسائی مشنریوں کے ہتھے نہ چڑھنے پائے۔

حضرت مولانا مونگیری ان ایمان دشمن عناصر کے ساتھ برسرپیکار تھے اور اسی کے ساتھ ان کے ذہن کی کشادگی، جدید رجحانات اور جدید تقاضوں سے واقفیت، زمانہ کی تغیر پذیری اور انقلاب آفرینی کے علم میں دسترس اور اس میں غیر شعوری طور سے اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شناخت اپنے معاصرین میں بالکل علاحدہ انداز کی بنی۔ درسِ نظامی کے ایک اجل فاضل کی حیثیت سے ان کی نگاہ تو روایتی علوم پر تھی ہی لیکن جب وہ عیسائی مشنریز کے مقابلے میں آئے اور ان کے اسلوب میں ہی ان کو جواب دینے کی کوششوں میں اپنے مطالعے کو وسیع کیا تو جدید علوم اور اس کے طریقۂ کار سے بھی واقفیت بہم پہنچالی۔ یہیں سے مولانا کی نگاہ اپنے وقت کے ملکی و عالمی منظرنامے پر گہری ہوتی چلی گئی اور یہیں سے حضرت مولانا نے ۱۸۵۷ کے انقلاب کی کوششوں کے نتائج کا مطالعہ شروع کیا۔ ان پر یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ اب ایسے حالات نہیں رہے کہ اس ناکام انقلاب کے بعد کھوئے ہوئے وقار کی بازیابی کے لیے تحریک شہیدین جیسی کوئی مسلح جدو جہد شروع کی جائے۔ اس لیے انہوں نے درس و تدریس اور اصلاح و ارشاد کے ذریعے رجالِ کار کی تیاری کی طرف اپنی توجہات مرکوز کیں۔ یہ راستہ اس لیے بھی ضروری تھا کیونکہ ان پر امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے اس فتوے کے اسرار واضح ہو گئے تھے جس میں امام اعظم نے علم بغاوت اسی وقت بلند کرنے کی اجازت دی تھی جب یہ یقینِ کامل ہو جائے کہ بغاوت حکومت کے تختے کو پلٹنے میں کامیاب رہے گی۔ آدھی ادھوری تیاری یا جذباتیت سے لبریز چھوٹ پٹ حملوں کی وجہ سے حالات پہلے سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان کے حالات لارڈ ڈلہوزی کی ہڑپ نیتی (Doctrine of Laps) کے بعد بے حد بدل گئے تھے۔ اس کے باوجود ۱۸۵۷ کا سانحہ پیش آیا اور اس ناکام بغاوت کے بعد انتظامی تبدیلی ہوئی۔ ملک برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے

ہاتھ سے نکل کر سیدھے تاج برطانیہ کے ماتحت آ گیا اور حالات مزید خراب ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی ۱۸۷۹ میں گورنر جنرل لارڈ لٹن کے ذریعے ورنا کیولر پریس پر پابندی عائد کردی گئی تھی، ایسے میں اس نوع کی کسی بھی بات کی بڑے پیمانے پر تشہیر تقریباً ناممکن ہوگئی تھی۔ ان حالات میں ظاہر ہے اسلامی حمیت کے حامل ایسے افراد کی تیاری کا کام کیا جائے جو آگے چل کر تحریک شہیدین کے مقاصد کی تکمیل کا سامان کر سکیں، اس کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار نہیں رہ گیا تھا۔ اس لیے حضرت مولانا نے ۱۸۹۲ میں مدرسہ فیض عام کانپور کے جلسۂ دستار بندی سے قبل ہی کانپور میں 'انجمنِ تہذیب' کے نام سے ایک ثقافتی انجمن کی بنا ڈالی تھی۔ جس کا مقصد علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں صحیح اسلامی افکار کی اشاعت و ترجمانی اور ان کے درمیان باہمی اتحاد و اخوت پیدا کرنا تھا۔ ایسا پہلی بار ہو رہا تھا کہ اس انجمن میں روایتی علماء کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم یافتہ طبقہ خصوصاً وکلاء و رؤساء بھی شریک ہوئے تھے۔(۱)

یہاں آپ کو یاد دلانا چاہوں گا کہ اسی طرح کی ایک کوشش ۱۸۸۵ میں بمبئی میں بھی ہوئی تھی۔ ۲۹، ۳۰ اور ۳۱ دسمبر کو بمبئی کے گوکل داس تیج پال سنسکرت کالج میں بیومیش چندر بنرجی (۱۸۴۴۔۱۹۰۶) کی قیادت میں ملک بھر کے ۷۲ نمائندگان کا اجلاس منعقد ہوا تھا اور ملک کے حالات کے تئیں اپنی فکرمندی کا اظہار کیا تھا اور جسے انڈین نیشنل کانگریس کا نام دیا گیا تھا۔ کانگریس کا اجلاس ہر سال دسمبر کی آخری تاریخوں میں منعقد ہوتا لیکن اس میں مسلمانوں کی نمائندگی مختلف وجوہات سے کم رہا کرتی تھی۔ حضرت مولانا کو اس کا علم تھا لیکن اس صورتِ حال سے ظاہر ہے کوئی بھی فکرمند شخص خوش نہیں رہ سکتا تھا، حضرت مولانا مونگیری بھی خوش نہیں تھے، لیکن عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے کچھ تو کیا جانا ضروری تھا، انھی مقاصد کے تحت حضرت نے 'انجمن تہذیب' کا قیام عمل میں لایا تھا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے لفظ 'نیشنل' پر غور فرمایئے اور حضرت مولانا کی تنظیم 'انجمن تہذیب' کے لفظ 'تہذیب' پر غور فرمایئے۔ آپ کو بہت کچھ مماثلت اور مطابقت نظر آئے گی لیکن مسلمانوں کی اپنی روایتی شناخت کے ساتھ 'نیشنلیلیٹی' یا 'راشٹریتا' لفظ کے خمیر میں ثقافتی عناصر کی کارفرمائی کو بے حد اہم مانا جاتا ہے، ایک ایسی راشٹریتا جو حدود اربعہ میں محصور ہو، لیکن لفظِ 'تہذیب' میں آفاقیت کے عناصر کے مفہوم غالب ہیں۔ اسی آفاقی تصور کے ساتھ تہذیب کے مٹتے نقوش کو روکنے اور اس کے احیاء کے لیے حضرت مولانا نے 'انجمن تہذیب' کی بنا ڈالی تھی۔ تاکہ مسلمان اگر کسی وجہ سے انڈین نیشنل کانگریس کی رکنیت اختیار نہ بھی کریں تو کم از کم اپنی بقا کی جنگ کے لیے اپنے فرائض سے پہلو تہی کا بہانہ نہ تراش سکیں۔ اس دور اندیشی پر بجا کہا گیا ہے کہ 'مولانا کے اس قدم سے ان کی ژرف نگاہی، زمانہ کی نباضی اور وقت شناسی کی بہترین دلیل فراہم ہوتی ہے'۔(۲) لیکن اس کے باوجود ایک سوال بار بار ذہن مین آتا ہے کہ اس قدر روشن ذہن

انجمن کا تاریخ میں کوئی خاص جگہ نہ بنا پانا کیا لمحۂ فکریہ نہیں ہے!

گورنر جنرل لارڈ کارنوالس نے ۱۷۹۳ء میں لگان کی وصولی کے لیے استمراری بندوبست کے نظام کو متعارف کرایا تھا (۳)، جس کے نتیجے میں بھاری محصول کے بوجھ تلے کسانوں کی کمر تو ٹوٹ ہی گئی تھی، اسی کے ساتھ 'دستک' کے منصفانہ نظام میں کئی طرح کی خامیوں کو متعارف کرا کے انگریز سرکار نے اپنے مفادات کا تحفظ کیا تھا۔اس کی وجہ سے ہندوستانی کاریگروں اور چھوٹی صنعتوں کے بھی برے دن شروع ہوگئے تھے۔نواب شجاع الدولہ کی کوششوں سے جو ہندوستانی فیکٹریاں قائم ہوئی تھیں، وہ بھی کارنوالس کا زمانہ (۱۷۸۶ تا ۱۷۹۳) آتے آتے دم توڑ گئیں تھیں۔ان حالات میں مانسون کی تھوڑی سی کمی قحط کا سبب تو بنتی ہی تھی لیکن قحط سے انتظامیہ کے نپٹنے کے غیر موثر طریقے بلکہ ڈھل مل رویے کی وجہ سے قحط بھیانک تباہی کا سبب بن جاتا اور لاکھوں جانیں ضائع ہو جاتیں۔ان صورتِ حال سے ہندوستان کا ہر آدمی پریشان رہتا۔دادا بھائی نوروجی نے ۱۸۶۷ میں Poverty and Un-British Rule in india نامی کتاب لکھ کر سرمایہ کی منتقلی (Drain of Wealth) کے نظریے کو کامیابی کے ساتھ پیش کیا اور برٹش حکمرانوں کی کریہہ صورت لوگوں کے سامنے دلائل کے ساتھ ظاہر ہوئی۔اس کے باوجود عیسائی مشنریوں کے جال میں بھوک اور افلاس کی ماری ہندوستانی قوم پھنس جاتی اور اپنے ایمان کے سودے پر مجبور ہو جاتی۔ایسے میں حضرت مولانا مونگیری جیسی حساس شخصیت کے لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ اپنے محبوب کے امتیوں کو عیسائی مشنریز کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں۔چنانچہ انہوں نے دعوت وارشاد کے ساتھ ساتھ کانپور کے زمانۂ قیام ہی میں ایک یتیم خانے کی بنیاد ڈالی تھی اور اس میں داخل بچوں کی جملہ ضروریات کی تکمیل کا انتظام کیا۔

۱۸۸۵ میں قائم ہوئی انڈین نیشنل کانگریس جسے لارڈ ڈفرن نے 'چند مینڈکوں کی سالانہ ٹرٹراہٹ' سے تعبیر کیا تھا، اپنی بیسویں سالگرہ تک اتنی مضبوط ہوگئی کہ لارڈ کرزن کی ہوا اکھڑنے لگی اور ان کے سازشی ذہن کے نتیجے میں تقسیم بنگال کا سانحہ پیش آیا۔اس پر کلکتہ سے بمبئی تک سخت ردِ عمل کا اظہار ہوا۔اس سے گھبرا کر مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے سرکار نے ان کو قریب کرنا شروع کیا۔۱۸۵۷ کے انقلاب میں جاں نثاری کی وجہ سے مسلمان معتوب تھے اور ہندو محبوب لیکن ۱۹۰۵ میں ان ہی مسلمانوں کو سرکار نے اپنے دام میں پھنسا کر رکھنے میں عافیت جانی۔ان ہی حالات میں ۱۹۰۶ میں سر آغا خان (۱۸۷۷۔۱۹۵۷) کی قیادت میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لیے بہت سی مراعات کا مطالبہ کیا اور انتظامیہ ومقننہ میں

مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کی مانگ کی۔ انتظامیہ میں ریزرویشن کی مانگ پر تو کوئی دھیان نہیں دیا گیا لیکن ۱۹۰۹ کے مارلے منٹو اصلاحات کے ذریعے مقنّنہ میں مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کی مانگ کو تسلیم کر لیا گیا۔ حضرت مولانا مونگیری کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مسلم لیگ کی پیش رفت سے باخبر تھے لیکن انہوں نے اس راستے پر توجہ نہیں دی۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ انہوں نے جس مشن کو اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا، اس سے توجہ نہیں ہٹانا چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ ایک واضح نصب العین کے ساتھ ایک پائیدار انقلاب کے حامی تھے، جو افراد سازی کے توسط سے ہی ممکن تھا۔

مسلم لیگ نے جس راستے سے مسلمانوں کے غلبے کی کوشش کی اس سے نشاۃ ثانیہ کی راہ ہموار نہیں ہوسکتی تھی۔ کیونکہ ان کے راستے کو شاید کاسۂ گدائی کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس لیے مولانا نے مسلم لیگ سے خود کو الگ ہی رکھا اور وقت نے ثابت کیا ہے کہ حضرت کی سوچ درست تھی۔ ۱۹۰۹ میں جب مقنّنہ میں مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کے مطالبے کو تسلیم کر لیا گیا تو اس کے نتیجے میں ہی ہندو مسلم کے بیچ کی خلیج بڑھنی شروع ہوئی اور تقسیم ملک کی زخم خوردگی کے باوجود نہ رک سکی۔ ۱۹۱۶ میں میثاق لکھنؤ کے ذریعے مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان اتحاد تو ہوا لیکن جو خلیج ۱۹۰۹ کے اصلاحات کے ذریعے بن گئی تھی وہ کبھی پاٹی نہ جا سکی بلکہ آئے دن دونوں قوموں کے باہمی اعتماد میں کمی آ رہی ہے اور مسلمان آج بھی ۱۹۰۹ کے ریزرویشن کی نفسیات سے نہیں نکل سکا ہے۔ ایسے میں حضرت مونگیری کے اس خیال کو تقویت حاصل ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی استغنا کے راستے سے ہی ممکن ہے۔

گاندھی جی ۱۹۱۵ میں جنوبی افریقہ سے ہندوستان لوٹے تو کانگریس میں ایک نئی جان آ گئی۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسرت موہانی سمیت بیشتر علماء کانگریس سے جڑ چکے تھے۔ کانگریس کی سربراہی میں مسلمان وطن عزیز کے لیے لڑ رہے تھے۔ اسی بیچ ۱۹/ مارچ ۱۹۱۹ کو سرکار نے رولٹ ایکٹ نام سے ایک قانون کو متعارف کرایا، جس کے تحت گرفتار مجرم کو نہ کوئی قانونی مدد دی جا سکتی تھی، نہ وہ کوئی اپیل کر سکتے تھے اور نہ ہی اس کی کوئی دلیل سنی جاتی۔ ملک بھر میں اس کالے قانون کی مخالفت ہو رہی تھی کہ دو اہم لیڈر سیف الدین کچلو اور ستیہ پال کو سرکار نے گرفتار کر لیا اور کالا پانی کی سزا سنا ڈالی۔ اس پر ناراضگی ظاہر کرنے کے لیے عوام سڑکوں پر نکل آئی۔ ایسا ہی ایک پرامن مظاہرہ ۱۳/ اپریل ۱۹۱۹ کو امرتسر کے جلیاں والا باغ میں منعقد ہو رہا تھا کہ اچانک جنرل ڈائر نے بھیڑ پر گولی چلانا شروع کر دیا اور ہزاروں لوگ منٹوں میں شہید ہو گئے۔ جنگ عظیم اول

(۱۹۱۴ـ۱۹۱۸) کے دوران گاندھی جی سمیت ہندوستانی رہنماؤں نے اس امید پر سرکار کی مدد کی تھی کہ سرکاران کے ہوم رول کے مطالبے کو تسلیم کر لے گی، لیکن یہاں اس کے برخلاف ہو رہا تھا اور لوگوں پر رولٹ ایکٹ جیسے کالے قوانین تھوپ کر ان کی زبان بند کروائی جارہی تھی۔اس کے ساتھ ہی جنگ عظیم کے خاتمے پر سلطنت عثمانیہ (قیام:۱۲۹۹) کی بندر بانٹ شروع ہوگئی تھی،جس پر مسلمانوں کا غصہ پھوٹ پڑا تھا۔لیکن حضرت مولانا مونگیری ان وقتی ہنگاموں سے بچ کر کچھ اور ہی منصوبہ بنا رہے تھے۔ایک طرف جہاں 'فیصلۂ آسمانی' (تین جلدیں) اور 'شہادتِ آسمانی' (۲رجلدیں) جیسی کتابیں لکھ کر یکسوئی کے ساتھ قادیانیت کی بیخ کنی میں مصروف تھے تو وہیں دوسری طرف مسلمانوں کو ایک امیر کے تحت لا کر کیسے اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی کے ہر شعبے میں آگے بڑھا جائے، اس کی صورتوں پر غور وفکر فرمارہے تھے۔حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمہ اللہ کے ساتھ مل کر ہندوستان گیر پیمانے پر امارت شرعیہ کے قیام کے لیے کوشاں تھے۔امیر المونین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول کہ 'مالاسلام الا بجماعة و مالجماعة الا بامارة و مالامارة الابطاعۃ' کے مطابق وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ صرف اسی راستے سے ممکن ہے۔اس راستے کی ہمواری کے لیے انہوں نے ندوۃ العلما کی آبیاری کی تھی۔اب وقت آگیا تھا کہ تمام ہی فضلاء مدارس کو لے کر ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک امیر کے تحت لانے کی کوششوں کو تیز تر کیا جائے۔لیکن اس کے لیے راستہ ہموار نہ پا کر پہلے ریاستوں میں علیحدہ علیحدہ امارت شرعیہ کے قیام کے لیے کوششیں شروع کر دیں اور ۲۶ رجون ۱۹۲۱ کو امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا قیام عمل میں لانا ممکن ہوا۔امارت شرعیہ کا قیام جن مقاصد کے تحت ہوا تھا،اس پر ایک نظر ڈالتے چلیں:

۱۔منہاج نبوت پر نظام شرعی کا قیام؛ تاکہ مسلمانوں کے لیے صحیح شرعی زندگی حاصل ہو سکے۔

۲۔اس نظام شرعی کے ذریعے جس حد تک ممکن ہو، اسلامی احکام کو بروئے کار لانا اور اس کے اجرا و تنفیذ کے مواقع پیدا کرنا۔مثلاً عبادات کے ساتھ مسلمانوں کے عائلی قوانین، نکاح،طلاق، میراث،خلع، اوقاف وغیرہ احکام کو ان کی اصلی شرعی صورت میں قائم کرنا۔

۳۔ایسی استطاعت پیدا کرنے کی مستقل جدو جہد،جس کے ذریعے قوانین خداوندی کو نافذ اور اسلام کے نظام عدل کو قائم و جاری کیا جا سکے۔

۴۔امت مسلمہ کے جملہ اسلامی حقوق و مفادات کا تحفظ اور ان کی نگہداشت۔

۵۔مسلمانوں کو بلا اختلاف مسلک محض کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ﷺ کی بنیاد پر مجتمع کرنا تاکہ وہ اللہ

تعالیٰ کے احکام اور حضرت محمد ﷺ کی سنت پر عمل کریں اور اپنی اجتماعی قوت 'کلمۃ اللہ' کو بلند کرنے پر خرچ کریں۔

۶۔ مسلمانوں کو تعلیم، معاش اور ترقی کے میدان میں اسلامی نظام تعلیم اور اسلامی نظام تجارت کی روشنی میں رہنمائی دینا۔

۷۔ عام انسانی خدمت کے لیے رفاہی اور فلاحی ادارے قائم کرنا۔

۸۔ مسلمانوں کے حقوق، شریعت کے احکام اور اسلام کے وقار کو پوری طرح قائم اور محفوظ رکھتے ہوئے، مقاصدِ شرع اسلام کی تکمیل کی خاطر اسلامی تعلیم کی روشنی میں ہندوستان میں بسنے والے تمام مذہبی فرقوں کے ساتھ صلح وآشتی کا برتاؤ کرنا، ملک میں امن پسند قوتوں کو فروغ دینا، اور تعلیم اسلامی 'لاضرر ولاضرار فی الاسلام' کی روشنی میں ملک کے مختلف مذہبی فرقوں میں ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کا جذبہ پیدا کرنا اور ہر ایسے طریق کار و تحریک کی ہمت شکنی کرنا، جس کا مقصد ہندوستان میں بسنے والے مختلف طبقات میں سے کسی ایک کی جان و مال، عزت وآبرو، تصورات ومعتقدات پر کسی دوسرے کی طرف سے حملہ ہو اور ایسی تمام تحریکات کو قوت پہنچانا؛ جن کا مقصد ملک میں بسنے والی مختلف مذہبی اکائیوں کے درمیان ایک دوسرے کی جان و مال، عزت وآبرو کا احترام پیدا کرنا اور فرقہ وارانہ تعصب ومنافرت کو دور کرنا ہو۔

امارت کے ان مقاصد کو دیکھیں اور حضرت مولانا مونگیری رحمہ اللہ کی زندگی کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا نے اپنی زندگی کے آخری مرحلے میں بھی ایسا انتظام فرما دیا کہ ان کے کام کو مستقل جاری و ساری رکھا جا سکے، اس سے ان کی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے فکرمندی ظاہر ہوتی ہے۔ یقیناً ان کے اس بارِ احسان سے ملت اسلامیۂ ہند کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

حواشی ومراجع:

۱۔ سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری، از مولانا سید محمد الحسنی، ناشر: مجلس صحافت ونشریات اسلام لکھنؤ، ۲۰۱۶، ص: ۴۸

۲۔ ایضاً

۳۔ آدھونک بھارت کا اتہاس، از: وپین چندرا، ناشر: اورینٹ بلیک سوان، دہلی، ۲۰۱۲، ص: ۸۸

ادب اسلامی۔ایک جائزہ

خان محمد رضوان

ادب سے متعلق اسلامی فکر وفلسفہ کو بیان کرنے سے پیشتر چند سوالات کی توضیح ضروری ہے۔وہ یہ کہ اہل علم نے ادب کے کیا معنی لیے ہیں اور ادب کو کس معنویت کے ساتھ برتنے کی کوشش کی ہے۔ادب اور انسانی سماج کے رشتے کو کس تناظر میں دیکھنے کی سعی کی گئی ہے۔ادب اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے کس قدر وسیع ہے اور انسانی زندگی کی ترجمانی میں اس کا رول کیا ہے۔

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا ادب کو صحت مند، غیر صحت مند، اعلیٰ اور ادنی ادب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔لہٰذا ادب اور انسان، ادب اور سماج، ادب اور مسائلِ حیات و روزگار کے تعلق سے علمائے ادب کی کیا رائے ہے؟ ایک نظر اس پر بھی ڈالتے ہیں۔

اردو ادب کے نامور ادیب و محقق رشید حسن خان لکھتے ہیں:

> ''جب تک انسانیت کے بہترین مقاصد انسان ہی کے بہترین طور طریقوں سے پورے نہ کیے جائیں گے۔نہ اعلیٰ انسان وجود میں آئے گا نہ اعلیٰ ادب'' (ادب، تعمیری جہت ص:۵۹)

جدید ادب کے معروف نقاد، ادیب اور ناول نگار شمس الرحمٰن فاروقی ایک جگہ کچھ اس طرح رقم طراز ہیں:

> ''ادب کو زندگی سے مفر نہیں، ادب ہوا پر یا ہوا میں نہیں رہ سکتا۔ادب خوابوں کی دنیا کی تعمیر کا نام نہیں ہے اور چاہے آپ میری دی ہوئی ادب کی تعریف کو ماننے سے انکار کر دیں، آپ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ ادب اور زندگی کا رشتہ اٹوٹ ہے۔''
>
> (نئی نسلیں، ستمبر ۱۹۵۵ء)

سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ سماج، فرد اور تہذیب ایک مسلمہ حقیقت ہیں اور یہ تینوں ایک دوسرے کے بغیر کوئی حیثیت اور وجود نہیں رکھتے۔ایک دوسرے کے محتاج ہیں، اگر سماج ہو اور افراد نہ ہوں تو سماج وجود میں نہیں آ سکتا، اسی طرح افراد کو ایک سماج کی ضرورت ہوتی ہے اور جب یہ دونوں ایک دوسرے کو دستیاب

ہوجاتے ہیں تو پھر بہتر زندگی بسر کرنے اور انسانی سماج کی تشکیل کرنے کے لیے تہذیبی شناخت کی ضرورت ہوتی ہے اور جب یہ دونوں تہذیب کے زیور سے آراستہ ہوجاتے ہیں، جس سے سماج اور افراد کی شناخت مستحکم ہوتی ہے تب جا کر مہذب انسان اور مہذب سماج وجود میں آتا ہے، جس طرح بہتر سماج اور بہتر انسان اس سماج میں رہتے ہیں، اسی طرح اعلیٰ اور ادنیٰ صحت منداور غیر صحت منداد ب بھی وجود میں آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سماج اور انسان کے لیے وہ ادب کتنا مفید اور کارگر ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ ادب جو بہت بہتر ہو جسے ہم اعلیٰ ادب کا نام دیتے ہیں یا صحت منداد ب کہتے ہیں، وہی مفید ہے باقی کو مخرب الاخلاق نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کیوں کہ سماج میں کچھ لوگ بہت نیک اچھے اور صالح ہوتے ہیں، کچھ لوگ غیر سماجی ہوتے ہیں، اس کا قطعی یہ مطلب نہیں لیا جانا چاہیے کہ وہ جو غیر سماجی ہے، اس کو سماج میں رہنے کا حق نہیں ہے، ہاں جو ادب صحت مند یا تعمیری ہے اس کی قدر(Valu) اپنی جگہ مسلم ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اسلامی ادب کیا ہے؟ کیا ادب کے نام پر اسلامی ادب اور غیر اسلامی ادب کی تفریق درست ہوگی۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ صحت منداد ب کو اس طرح پیش کیا جائے کہ اسلامی اور غیر اسلامی دونوں طرح کے ادب کا ترجمان ہو۔ کیا اسلام پسند ادیبوں کے ذریعہ وجود میں آنے والے ادب کو اسلامی ادب کہا جاسکتا ہے یا اسلامی ادب کے اصول وضوابط ادب کے رائج اصول وضوابط سے مختلف ہیں۔ یہی اسلامی ادب ہے یا کچھ اور۔

دراصل مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر اسلامی ادب ہو تو کیسا ہو، اس کا طریقہ کار کیا ہو، اس کے حدود قیود کیا ہوں۔ حقیقت میں ادب، پھر اسلامی ادب، اس کے بعد نظریہ ادب، یہ وہ بنیادی رجحان اور فکر ہیں جو کم وبیش ہر دور اور ہر زمانے میں کسی نہ کسی درجے پر کارفرما رہے ہیں۔ غالب کا یہ شعر صادق آتا ہے کہ:

ڈبویا مجھ کو ہونے نے
نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

اصل میں یہ بحث صرف ادب اور اسلامی ادب کی ہی نہیں ہے، دو نظریات اور دو رجحان کی بحث بھی ہے۔ طریقۂ اطلاق دونوں کا ایک ہیں۔ اصول وضوابط بھی تقریباً ایک سے ہیں مگر فرق صرف نظریے اور رجحان کا ہے۔

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہوسکتا ہے کہ اسلامی ادب کے تخلیق کاروں نے ترقی پسندوں کی طرح ہنگامہ آرائی اور نعرے بازی سے

زیادہ کچھ نہیں کیا، جس کے نتیجے میں نہ ادب ہی فروغ پایا اور نہ اسلام، جس کے لیے ہم اٹھے تھے اور جس کے لیے برپا کیے گئے تھے۔ نتیجتاً آج دونوں اپنی اپنی جگہوں پر جامد و ساکت ہیں، اب حال یہ ہے کہ:

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا زندگی کا ہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

اس بحث کو مختصر کیا جائے تو واضح لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی ادب کے لیے تین قدریں بہت اہم ہیں۔ سب سے پہلے تصور حق کا ہونا ضروری ہے، دوسرے یہ کہ تصور خیر اور تیسرے تصور جمال، یہ تین عناصر ایسے ہیں جن کے بغیر اسلامی ادب کا تصور ناگزیر ہے۔ دراصل جمالیاتی تسکین کا دوسرا نام ادب ہے۔ یہ وہ فکری اور فنی محور ہے جس مدار پر ہوتے ہوئے فن کی تخلیق ہی قابل قبول ہوگی، جیسے غالب کا یہ شعر:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس شعر میں جو فکر اور تصور کارفرما ہے، اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے۔ یہاں تصور حق بھی ہے۔ تصور خیر اور تصور جمال بھی ہے، مگر غالب کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے اس فکری محور اور مدار پر ہمیشہ قائم نہیں رہتے بلکہ بیشتر مدار سے باہر نکل جاتے ہیں۔ لہٰذا اس شعر کو تعمیری اور ادب اسلامی کے اصول و معیار کے تحت رکھا جاسکتا ہے مگر یہاں پر غالب کی شخصیت صفر ہوگی۔ اس سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ اسلامی ادب تخلیق کرنے والوں کے لیے کوئی ایک جگہ کوئی ایک مقام یا کسی مخصوص پلیٹ فارم کی قید نہیں ہے بلکہ آزادانہ طور پر بھی جو لوگ ادب تخلیق کررہے ہیں وہ بھی ایسے ادب کی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں اور جو لوگ باضابطہ کسی پلیٹ فارم سے وابستہ ہوکر ادب تخلیق کرتے رہے ہوں وہ بھی۔ گو کہ اسلامی ادب کی ترجمانی کے لیے کوئی طے شدہ پلیٹ فارم ہی ضروری نہیں ہے۔

اردو فکشن میں ایک نئی طرز اور ایک نئی صنف ''حالیہ'' کے موجد جناب مبین صدیقی جو ادب میں گہری ادبیت و بصیرت کے ساتھ ساتھ اصلاحی اجتہاد اور اسلامی نقطۂ ادب کی وکالت کرتے رہے ہیں بلکہ اسٹیج ڈراما جیسی صنف کے نعم البدل کے طور پر ''حالیہ'' جیسی خالص ادبی صنف کی ایجاد کا کارنامہ سرانجام دے چکے ہیں، اپنے تاریخی مقالہ ''حالیہ کی شعریات'' میں فرماتے ہیں:

> (۱) ''یہ سمجھنے میں دقت نہ ہونی چاہیے کہ اسلام میں نقل بالخصوص اسٹیج نقل، ناچ، بے جا نمائش، فحش موسیقی، فحش ادائی، اوباش گیری، عریانیت، برہنگی، مکر و فریب، تصنع و مبالغہ، غرور، ناز و نخرہ، مادہ پرستی، قوت پرستی، شخصیت پرستی، بغض، حسد، کینہ، ہوس پرستی، لواطت اور

تمام قسم کی طوائف الملو کی ناجائز اور باطل ہے۔ چونکہ بت گری، تصویر کشی، پاٹ ادائیگی، فحش ادائی، موسیقی کی خرابیاں حتیٰ کہ وراء الورا کی نقل، تصویر کشی یا پاٹ ادائیگی بھی دوسرے مذاہب میں جائز ورائج ہے جب کہ اسلام ان چیزوں کی ممانعت کرتا ہے، ان پر نکیر کرتا ہے اوران پر حدیں قائم کرتا ہے۔ بت پرستی اور شخصیت پرستی کی ابتداء کے بارے میں مشہور ہے کہ مشرکین نے وحدۂ لاشریک (ایک اللہ) کی عبادت کے مقبول ذرائع کے طور پر پہلے تو مخلوقات کی (نیک بندوں کی) یادگاریں قائم کیں۔ پھر بعد کے زمانہ میں بظاہر نظر نہ آنے والے اللہ کے بندوں ہی کی عبادت میں رفتہ رفتہ مشغول ہوگئے۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ اللہ وحدۂ لاشریک کی ذات وصفات میں کھلے طور پر شرک کرتے ہوئے مخلوقات کے نئے نئے عبادت خانے باضابطہ تعمیر کرنے لگے اور اس کے لیے نئی نئی تاویلیں بھی گھڑھنے لگے۔ چنانچہ مخلوقات (بشمول صالحین) کی ایسی یادگاریں، نذرو نیاز، نقل و بہروپ، تصور و مجسمہ سازی اور اسٹیج بازی وغیرہ شرک جیسے نا قابل معافی گناہِ عظیم وقدیم کا بنیادی ذریعہ رہی ہیں۔ یعنی شرک کا ان ہی چیزوں سے دیرینہ تعلق رہا ہے۔ اس تناظر میں بھی محض تحریری وادبی ڈراموں کی ضرورت مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ تھی۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں کے تصنیف کردہ ڈرامے بھی قدیم اسٹیج کی شرطوں پر ناپے تولے جاتے رہے ہیں۔ بلکہ نام نہاد اسٹیج کی شراکت کے بغیر اردو ڈراموں پر کلام تک نہیں کیا جاتا اور یہ کرنے والے بھی مسلمان ہی رہے ہیں۔ جیسے واجد علی شاہ وغیرہ۔ مسلمان ڈراما نگاروں اور اسٹیج کاروں کے علاوہ ڈراما کے تمام مسلمان ناقدین وقارئین وناظرین نے بھی اسٹیجی نظریے کو خود پر حاوی رکھا۔ نہ کبھی اس کے شر کے پہلوؤں کو محسوس کیا اور نہ خیر کی حدوں کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش کی۔ اور نہ نعم البدل کی ہی کوشش کی۔ واقعہ یہ ہے کہ جدیدیت اور تجربات کے نام پر ہی سہی یورپ کے غیر مسلموں کو Nonstage کی سوجھی لیکن پوری دنیا میں مسلمانوں کو اپنے بنیادی Concept اور Culture کے تناظر میں بھی قدیم Stage کو ترک کرنے کا خیال کبھی نہ آسکا بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا قدیم اسٹیج کو خود پر مسلط رکھنا ہی ضروری سمجھا۔ یہ المیہ نہیں تو اور کیا ہے کہ جنھیں Nonstage کی ضرورت ہی نہ تھی بلکہ جنھوں نے خاطر شوق یا خیالِ خاطرِ احباب میں Nonstage کا استعمال شروع کیا انہیں عالمی پزیرائی (عالمی ایوارڈ) حاصل ہوئی اور جن پر Nonstage ہی لازم آتا تھا وہ اسٹیج میں مسلسل مبتلا ہی نہیں

بلکہ اس کے کٹر حامی و مددگار اور پیرو کار بھی رہے۔ دراصل مسلمانوں میں بھی بعض لوگ ایسی ذہنیت کے ہیں جو اپنی نادانی یا گمرہی کے سبب مضر اسٹیج کو سجانے میں اہل اسٹیج کو بھی پیچھے چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ انہیں لوگوں نے آزادئ اظہار، ارتقائے نقل وفن اور ارتقائے ادب کے فریب میں ہمیشہ نئے فتنوں کو فروغ دیا ہے جن کے تابعین میں بعض وہ جو صاحب تدبر تھے انہوں نے بھی ان کو روکنے ٹوکنے کا کبھی حوصلہ نہ کیا بلکہ دانستہ وغیر دانستہ ان کے وکیل اور آلۂ کار ہی رہے''۔

(۲) ''پس کسی بھی واقعۂ کیفیت یا انکشاف کی پیش کش کے لیے ایک مخصوص اسلوب (عمل کے عکس کا اہتمام) کو اختیار کرنا ہوگا۔ یہ مخصوص اہتمام عکسِ عمل کیا ہے اور خاص طور سے یہ مسلمانوں کی ترجیحی ضرورت کیوں ہے، اس ضمن میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں۔ ''اسٹیج کی جوانسائکلو پیڈیا ہے، اسلام میں اس کی مشروط ممانعت رہی ہے۔ اسٹیج پر مسلمانوں کی عکاسی تو ہوسکتی ہے مگر مسلمانوں کو اسٹیج کا نمائندہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ ایک بڑا تضاد اور Blunder بن سکتا ہے۔ مسلمانوں کو اس پر انتہائی سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اور جہاں رکنے کی ضرورت ہے رک جانا چاہیے۔''

اب ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر خالص اسلامی ادب ہے اور اس کے ہونے کا قابل قبول جواز بھی ہے تو اس کی بھی کوئی تاریخ ہے کہ نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ سوال بھی جنم لیتا ہے کہ اسلامی ادب کی طرح ہندو ادب، سکھ ادب، کرسچن ادب، یا دیگر مذاہب کا ادب بھی ہے کہ نہیں؟ لیکن جب یہ مسلم حقیقت ہے کہ کتب آسمانی ادب عالیہ یا اسلامی ادب کا شاہکار ہیں تو یہ بات بھی طے ہو جاتی ہے کہ اسلامی ادب یا ادب عالیہ اسی وقت سے ایک رجحان یا ایک فکر کی شکل رکھتی ہے، جب سے مالک کون ومکاں نے کن فیکون کہا تھا۔ مگر اردو میں اسلامی ادب کی تاریخ اتنی قدیم نہیں ہے۔ اندازہ یہی ہے کہ اس فکر کو تحریک آزادئ ہند کے آس پاس تقویت ملی ہے۔

یہ وہ تاریخ ہے جو ایک تاریخی حقیقت کے طور پر تسلیم کی جاتی رہے گی مگر اس بات کی بھی خلش رہے گی کہ دنیا کی دوسری تحریکوں کی تاریخ کی طرح آخر ادب اسلامی کی تاریخ اتنی روشن کیوں نہیں ہو پائی۔ آج دنیا کمیونزم کی تاریخ کو اتنی ہی شدت سے بیان کرتی ہے جتنی شدت سے تاریخ بتاتی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اسلامی ادب کی تحریک کی تاریخ کا اتنا شہرہ نہ ہو سکا جتنا ہونا چاہیے تھا۔ شاید کچھ بنیادی مسائل اور وجوہات

در پیش رہے ہوں گے۔ ڈاکٹر احمد سجاد کے اس بیان سے میرے اشکال کو تقویت ملتی ہے کہ ۱۹۷۵ء میں ان سے کسی ایک مسئلہ پر آج تک کوئی وقیع کام نہ ہوسکا، تنقید و تحقیق میں مثبت قدروں، فنی روایات، صلابت کردار، ہیئتی مسائل، مسئلہ جنس اور دیگر ادبی تحریکوں سے ربط و تعلق کی نوعیت کے بہت سے گوشے ہنوز تشنۂ تکمیل ہیں۔ مضمون: اسلامی ادب اور اس کے مسائل۔ پیش نظر یہ بات بھی رہے کہ وہ تمام فنون لطیفہ جس میں اخلاق او راقدار کی باتیں کی جاتی ہیں دراصل وہ ادب عالیہ ہیں اور ہمارے بیش تر اسلام پسند ادیبوں نے جو اقدار پر مبنی ادب لکھا ہے، اسے ادب عالیہ ہی سے موسوم کرنا چاہیے۔ اس کو ارکان اسلام کی طرح جوڑ کر نہیں دیکھنا چاہیے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ تمام کتب آسمانی ادب عالیہ کی شاہکار اس وجہ سے ہیں کہ اس میں بھی اخلاق واقدار کی باتیں، انسانیت اور فوز وفلاح کی باتیں کی گئی ہیں۔ فن (آرٹ) یا ادب کو مذہب سے جوڑ کر اخلاق وواقدار کی حد تک تو دیکھا جاسکتا ہے مگر مذہب سے منسوب کرنا ادب کے ساتھ کسی طور انصاف نہیں ہوگا اور اس صورت میں ہر مذہب کا ادب الگ الگ خانوں میں تقسیم ہوکر رہ جائے گا، نتیجے کے طور پر ادب کی آفاقیت گم ہو جائے گی، اور ادب کا دائرہ محدود ہوکر دائرہ خاص میں سمٹ جائے گا۔ ادب کا اعجاز یہی ہے کہ وہ عالم بسیط میں فطرت کے اظہار کا بہترین وسیلہ بنے۔

سچی بات تو یہی ہے کہ وہ ادب جس میں حظ اور سرور اپنے اقداری اور اخلاقی اطوار کے ساتھ حاصل ہو اور ادب اپنے جمالیاتی حسن کے ساتھ اخلاقیات وآداب کی آغوش میں آئے، وہ ادب کسی خاص قوم، مذہب اور فکر کا نہیں بلکہ ہر ایک کا ادب ہوگا۔ وہ کسی خاص فکر ورجحان کا نہیں بلکہ ہر طرح کے فکر ورجحان کی نمائندگی کا اہل ہوگا۔ اسلام کے ارکان خمسہ یا واجبات کی طرح ادب میں بھی اسلامی احکام شریعت کا خیال رکھا جانا چاہیے جو کسی بھی ادب کے لیے ممکن نہیں، اس لیے ادب کو کسی بھی مذہب سے جوڑ کر دیکھنا، ادب کی وسعت کو کم کرنا ہوگا۔ ہاں یہ تو ضرور ہے کہ کچھ فنون لطیفہ یا ادب میں اخلاقیات واقدار کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے اور کچھ میں بہت کم مگر اس کا یہ قطعی مطلب نہیں ہے کہ ادب کسی بھی مذہب کا حصہ ہے۔ اس سے اقدار، اخلاق یا مذہب کی تبلیغ کا کام تو لیا جاسکتا ہے، لیکن ادب کو ارکان اسلام کی طرح دیکھنا میرے خیال سے درست نہیں ہوگا۔ قرآن کریم ادب کا سب سے بڑا شاہکار ہے جو انسانیت کا منشور بھی ہے اور ادب کا بہترین نمونہ بھی۔ اس سے کسی طالب حق کو ہدایت ملتی ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ اس سے پوری انسانیت ہی راہ یاب ہوجائے۔ جب کہ پوری انسانیت کی ہدایت کا سامان اس میں موجود ہے۔ مگر ہدایت تو اسی کو نصیب ہوگی جو ہدایت طلب

کرے گا۔تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ادب ردعمل کی تحریک یا فکری رجحان کے طور پر ہے چوں کہ وہ وقت اور تھا جب میسحیت کے فکری غلبے اور تبلیغ کا دور تھا جس سے اخلاق واقدار اور ادب وتہذیب میں ایک عجیب طرح کا بگاڑ پیدا ہورہا تھا جس کے خلاف حسن عسکری نے ردعمل کے طور پر اسلامی ادب کو پیش کیا تھا تاکہ مثبت اخلاق وعادات اور آداب واقدار کے ذریعہ سے میسحیت کے بڑھتے زور کو روکا جاسکے۔ورنہ اگر اسلامی ادب کو ہم اسلامی ارکان یا شرعی اصول کا حصہ مان کر اختیار کریں گے تو پھر ردعمل کے طور پر مسیحی ادب، وہابی ادب، سنی ادب، بریلوی ادب کو بھی تسلیم کرنا ہوگا۔نتیجتاً ادب کئی خانوں میں تقسیم ہوکر 'ایک معمہ ہے نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا' کے مصداق ہوکر رہ جائے گا۔کیوں کہ ادب کا بنیادی جوہر انسانیت ہے، اسی لیے ادب کو سماج کا آئینہ کہا جاتا ہے، ورنہ جس طرح مغربی مفکرین اور مستشرقین کے ذریعہ وجود میں آنے والا تخلیقی ادب کسی نہ کسی فکر سے متاثر تھا، اسی طرح ہمارا ادب بھی صرف فکر کی تبلیغ کا ذریعہ ہوکر رہ جائے گا۔علامہ اقبال کی شاعری کا معتدبہ حصہ فکری ردعمل کی بنیاد پر وجود میں آیا اور وہ بے شک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔اسی طرح کفر والحاد نے اس کے ردعمل کے نتیجے میں جو ادب لکھا وہ ادب عالیہ کی بہترین مثال ہے۔ٹھیک اسی طرح حسن عسکری نے میسحیت کے بڑھتے زور کے ردعمل کے نتیجے میں اسلامی ادب کی جو بنیاد ڈالی تھی وہ وقت کی اہم ضرورت تھی۔مگر شاید آج اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ادب کا عام مقصد تمام انسانوں کی خدمت ہے جو تمام انسانوں کے ذریعہ تمام انسانوں کے لیے وجود میں لایا جاتا ہے۔اور یہی ادب مقبول خاص وعام ہے۔

دین مطلوب: ایک تعارف

ذکی الرحمٰن غازی مدنی

[استاد جامعۃ الفلاح مولانا انیس احمد فلاحی مدنی کی زیرِطبع کتاب 'زرتشتیت - ایک تعارف' کے لیے بہ طورِ تعارف وتمہید سپردِ قلم کی گئی تحریر۔ افادۂ عام کی غرض سے اسے نذرِ قارئین کیا جارہا ہے۔ ادارہ]

دین اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جو اس نے پہلے انسان کی فطرت میں الہام فرمائی اور اس کے بعد اس کی تمام ضروری تفصیلات کے ساتھ پیغمبروں کی وساطت سے پوری نوعِ انسانی کو دی۔ سچ یہ ہے کہ اگر اس کائناتِ رنگ وبو سے دین اور آسمانی ہدایت کو ہٹا دیا جائے تو یہ دل فریب اور دل کش دنیا نہ صرف یہ کہ بے لطف اور بے رونق ہو جائے گی، بلکہ درندوں کا جنگل، وحشی جانوروں کا اکھاڑہ اور شیطانوں کی بستی بن جائے گی۔ پس اس بات کو تسلیم کر لینے میں ذرہ برابر تامل نہیں ہونا چاہیے کہ دنیا میں اخلاق وروحانیت، تہذیب وتمدن اور تمدنی ترقیات اور عمدہ اخلاقیات کی بنیاد دینِ حق ہی نے قائم کی ہے اور دین کی عمر نسلِ انسانی کی عمر سے ایک دن بھی کم نہیں، اور یہ کہ دین کوئی وہمی اور خیالی چیز نہیں، بلکہ ایک واضح انسانی حقیقت اور فطری ضرورت ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور چیز بنی نوعِ انساں کے لیے حقیقی یا ضروری نہیں ہو سکتی۔ آثارِ قدیمہ، علم الانسان اور جغرافیائی تحقیقات نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اب تک انسانوں کی کوئی مستقل جماعتی، قومی یا تہذیبی زندگی ایسی نہیں رہی جو دین کی کسی نہ کسی شکل سے یکسر عاری رہی ہو۔ یہ فینومینا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ دین کا تعلق ضرور بالضرور انسان کی کسی بہت بنیادی ضرورت سے ہے جس کے بغیر اس کی دنیوی زندگی اگر خطرے میں نہیں پڑے گی تو کم از کم سنگین بحران کا شکار ضرور ہو جائے گی۔ دین کی یہی مرکزیت، اور انسانی زندگی سے اس کا یہی گہرا تعلق شاید اس چیز کا سبب ہے کہ اس کا اظہار مختلف عقیدوں، مخصوص اعمال، رسومات، فنونِ لطیفہ کے مظاہر، مخصوص پابندیوں، مخصوص قوانین، اخلاقی ضابطوں، مخصوص رویوں، حرکات وسکنات اور بے شمار دیگر

صورتوں میں ہوتا رہا ہے۔نفسِ دین ایک ایسی صداقت ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور صداقت تصور میں نہیں آ سکتی۔

جدید دور میں مغربی تہذیب - جسے مولانا مناظر احسن گیلانی نے دجالی تہذیب کا معنی خیز نام دیا تھا - کے زیرِ اثر دین داری اور دین پسندی کا گراف خطرناک حد تک نیچے گر گیا ہے۔معاصر مغربی تہذیب کی خواہ تعریف کیجیے یا تنقیص، مگر اس بات سے بالکلیہ انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تہذیب انسان کے ماضی قریب تک کے افکار واعمال کے حوالے سے نہ صرف مختلف اور انوکھی ہے، بلکہ غیر معمولی ہے۔کچھ لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ غیر معمولی ہونا تاریکیوں سے نکل کر عقل کی روشنی میں آ جانے کی علامت ہے۔اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ایک مہلک مرض کا آخری اسٹیج ہے۔

انسانی فطرت کے روایتی تصور اور جدید مغربی تصور میں کوئی قدرِ مشترک نہیں۔جدید مغربی تصور میں انسان کو ایک چالاک جانور سمجھا جاتا ہے جو زمین کی دولت سمیٹنے کے لیے پیدا ہوا ہے، چاہے اس سے ذاتی لطف اندوزی مقصود ہو یا سماج کی خدمت۔تا آنکہ اسی کارِ عبث میں اس کے شرارۂ حیات کی حرارت ختم ہو جاتی ہے اور وہ قبر کی تاریکی میں دفن ہو جاتا ہے۔جب کہ روایتی مذہبی تصور کے مطابق انسان کا مقصدِ وجود یہ ہے کہ وہ روشنی کی علامت بن کر رہے، ''النور'' کا پرتو، نہ کہ بے ثبات اور ناپائیدار وجود کی طرح۔انسان اپنی فطرت سے ایک ادھوری مخلوق ہے۔اسے کمال کی تلاش رہتی ہے تاکہ اپنے آپ کو واقعتاً پالے۔مسلمانوں کے لیے یہ تکمیل اسوۂ محمدی ﷺ پر عمل سے ممکن ہے۔اس کے مقابلے میں عیسائیوں کے یہاں اتباعِ مسیح کا نظریہ ہے۔اس کے متبادلات دوسرے مذاہب میں بھی ہیں،لیکن کسی جگہ بھی انسان کی صرف شخصی صلاحیتوں کو کافی وشافی نہیں سمجھا گیا۔ہندومت میں بھی جاہل اور عارف کے درمیان تمیز کی گئی ہے۔ماضی میں متدین سماج زندیقوں، ملحدوں، خدا کو نہ ماننے والوں اور مبتدعین کو مار ڈالنا زیادہ مناسب سمجھتا تھا بہ نسبت اس کے کہ ان کے اندھے پن کی چھوت دوسروں کو لگ جائے۔یہ سخت گیری اور خوں ریزی آج کتنی ہی نفرت انگیز کیوں نہ معلوم ہوتی ہو، اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہے کہ قدیم متدین سماج انسانی ہمدردی سے عاری تھا۔ہاں انھیں ایسے لوگوں کی جاں بخشی میں کوئی بھلائی دکھائی نہ دیتی تھی جو خدا پرستی اور ایمان کے سرچشمۂ خیر میں ہی زہر گھولنے لگیں۔دورِ جدید میں انسانوں کی جتنی بڑی تعداد سیاسی آراء اور لادینی نظریات کے نام پر اب تک موت کے گھاٹ اتاری جا چکی ہے - اور یہ سلسلہ جاری ہے - اس کے بعد کسی کا اپنے آپ کو راست باز سمجھنے اور زندقے والحاد کے استیصال کے لیے ہونے والی مذہبی جنگوں اور مذہبی تشدد پر نظرِ حقارت ڈالنے کا کیا موقع رہ جاتا ہے؟

تاریخ کے ایسے دور میں- جب معلومات کو بت بنا کر پوجا جارہا ہے اور لوگ ماضی کی تضحیک اور استہزاء کرنا اپنا فرض سمجھ رہے ہیں- ایک ایسے موضوع کے بارے میں حیران کن لاعلمی اور سرد مہری عام ہے جو چند نسلوں پہلے تک اہم ترین موضوع سمجھا جاتا تھا۔اس سے اندازہ کر لیجیے کہ آج کا ماڈرن انسان کیسی محدود زندگی گزار رہا ہے۔اس پر مستزاد یہ ہے کہ لوگ اپنے زورِ جہالت کے بل پر دین کے بارے میں لگی بندھی، قطعی اور ادعائی رائے زنی کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ گہرا دینی علم ہر ایمان والے کے لیے لازم ہے اور انسان اپنے معبودِ حقیقی سے اس وقت تک محبت نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ پورا عالمِ دین نہ ہو جائے۔ مگر پچھلے وقتوں کے سیدھے سادے ایمان والے جو تھوڑی معلومات، مگر پختہ ایمان رکھتے تھے، آج کی دنیا میں نہیں جی سکتے جہاں ہر لمحہ ان پر بے اعتقادی اور کفر کے دلائل کی بارش ہو رہی ہے۔ آج سیلاب زمانہ کے سامنے اپنے عقیدے اور ایمان پر جمے رہنے کے لیے عقائد کا نظری علم اور ان کے پختہ دلائل سے آگہی فرضِ عین ہے۔ آج ہماری زندگی میں کفر و ایمان کے درمیان حدِ فاصل دھندلا گئی ہے۔ ایمان یا کفر، دونوں کو ان کے منطقی نتائج تک پہنچانے اور ان کے مطابق اپنی عملی زندگی میں بدلاؤ لانے کا حوصلہ کسی میں نہیں رہ گیا ہے۔ اس وقت ہمارے سماج میں اعتقادی اضمحلال کا دور دورہ ہے۔ لوگ بس زمانے کی رو میں بہے جا رہے ہیں۔ انھیں یہ تو خیال ہے کہ اس زندگی کے بعد کچھ ہونے والا ہے، مگر اس میں شک ہے کہ اس ''کچھ'' کا حقیقی علم کسی کے پاس ہے بھی یا نہیں۔

جدید مادیت پرستی اور دین بیزاری کے شکار ہونے والوں کا نیا فلسفۂ اخلاق ایمان والوں کی نظر میں بالکل مردود ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس میں معاشی اور معاشرتی فوائد کو ہر دوسری شے پر فوقیت دی گئی ہے۔ اس کو رد کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس جدید نظامِ اخلاق نے کافرانہ پیمانۂ ترجیح و تفضیل اپنا لیا ہے۔ دین بیزاروں کو یہ صورتِ حال بہت موافق نظر آتی ہے۔ جب تک عقائد کی بات نہ ہو انھیں ٹینشن نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کا سابقہ کسی صحیح اور ٹھیٹھ عالمِ دین سے پڑتا ہے تو ایسے گھبراتے ہیں جیسے نالی کے کیڑے کو زمزم کی کین میں ڈال دیا جائے۔ ہاں عالمِ دین کے بھیس میں کسی سماجی کارکن اور سیاسی طالع آزما کا ہاتھ بٹانے کو وہ ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ آج ہر مذہب کا جدیدیت پسند طبقہ تراش خراش کر دین کا ایسا نرم اور خوش گوار ورژن پیش کرنے میں مصروف ہے جو ہر قسم کے مضبوط عقائد سے عاری ہو اور جو اپنے آپ کو مغربی تہذیب کے سانچے میں پوری طرح ڈھال چکا ہو۔ مغربی تہذیب جس کے تمام مفروضوں، ساری اقدار اور منطق کے سارے مآخذ یکسر انداز میں غیر ملکوتی اور مکمل طور سے دنیاوی ہیں۔ ان مآخذ میں انا سیت پرستی

(Humanism)، خرد پرستی(Rationalism)، نشأتِ ثانیہ کا امتداد اور مصنوعی خود اعتمادی نمایاں ہے۔ ہر دین و مذہب کے روشن خیال مفکرین کا طبقہ دین میں قطع و برید کر کے اپنی دانست میں نیک کام کر رہا ہے۔ مگر کتنے خرابے آج اُن نیک نیتوں کی شہادت دے رہے ہیں جو بھٹک گئی تھیں۔ لوگوں کو نئے زمانے میں مناسب طریقے سے دین سکھانا اچھی بات سہی، ضروری بھی ہے، مگر دینی اصولوں کی سودے بازی کا کہیں کوئی جواز نہیں۔ کیونکہ مصالحت کرتے کرتے جوں جوں لوگ حق سے دور ہٹتے جائیں گے یہ خواہش بڑھتی جائے گی کہ دین میں مناسب قطع و برید کی جائے اور اس کے وہ پہلو یا عناصر جو لوگوں کے حلق سے آسانی سے نیچے نہیں اترتے ان پر بے ضرر سا ملمع چڑھا دیا جائے یا ان کی تاویل کر دی جائے یا مختصراً مصالحت کے عمل کو بنیاد بنا کر تحریف و تغیر کا دروازہ کھول دیا جائے۔ اس طرح امید کی جاتی ہے کہ عام آدمی دین کو اپنی مصروف زندگی کے ایک گوشے میں جگہ دے دے گا اور ساتھ ہی ساتھ اسے اپنے طرزِ زندگی میں کوئی اصولی تبدیلی بھی نہیں کرنا پڑے گی۔ نہ ہی آخرت، جزا و سزا جیسے پریشان کن خیالات اسے الجھا پائیں گے۔ مگر ہم بتا دیں کہ یہ بالکل بے ہودہ اور موہوم امید ہے۔ اس طریقۂ کار کا انجام یہی ہوگا - اور عیسائیت کی مثال ہمارے سامنے ہے- کہ دین کی بات سکھانے والا اُس دکان دار کی طرح ہو جائے گا جو بھرے بازار میں اپنے مال کی قیمت گھٹاتے گھٹاتے اب اسے مفت بانٹنے پر آمادہ ہو چکا ہے، مگر پھر بھی خریدار ندارد ہیں۔

آخرت، حساب، کتاب اور جزا و سزا ایک دیومالا ہے۔ جہنم ایک خبیث واہمہ ہے۔ عبادت اور دعا شائستہ رویے سے فروتر اور بے اہمیت ہے اور آخر میں خود وجودِ باری تعالیٰ لایعنی اور غیر ضروری ہے۔ خیر اندیشوں کی اس اصلاح پسندی کے نتیجے میں نہ جانے کتنے مذاہب کا یہ حشر ہوا۔ مگر اتنے تنزلات کے باوجود لوگ دکان دار کو نظر انداز کر کے اپنے دوسرے اہم کاموں کی طرف متوجہ ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ لوگوں کے یہ اہم کام جن کے لیے وہ ہر چیز نظر انداز کیے ہوئے ہیں خود ان کے نزدیک دلدل ہیں جس میں وہ دھنستے جا رہے ہیں۔ اگر ان کو دین اپنی اصلی شکل میں پیش کیا جائے تو شاید وہ اس کے لیے بھاری قیمت ادا کرنے اور بڑی سے بڑی قربانی کے لیے بھی تیار ہو جائیں۔ مجھے احساس ہے کہ بات تلخ ہوگئی ہے، مگر کیا کروں کہ عام مشاہدے کے مطابق موجودہ زمانے میں تقریباً ہر قول و فکر کی تہہ میں عدمِ ایمان کام کر رہا ہے، اس لیے دنیائے جدید پر کسی ایمان والے کی تنقید لازماً سخت اور انتہا پسندانہ ہوگی اور وہ حق بہ جانب ہے۔ کوڑھی کی مشاطگی ہر ایک نہیں کرتا۔

اس سیاق وسباق میں ''الدین'' کا نام لینا کہاں تک بجا ہے جب کہ ہمارے سامنے بہت سے مذاہب ہیں جو کتنے ہی مقامات پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس کے جواب میں بات بہت سخت گسترانہ آپڑتی ہے جس کی کماحقہ تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ مختلف ادیان ومذاہب کے تقابلی مطالعے کی افادیت یہاں ثابت ہوتی ہے۔ تاہم ''الدین'' سے ہماری مراد الٰہی، الہامی اور آسمانی دین ہے جس میں تمام عقائد واعمال اور اخلاق ومعاملات، نیز حیات بعدالممات اور اسی طرح بے شمار دیگر احکام وشرائع منقح ومشرّح طور پر بیان کیے جاتے ہیں۔ باقی دھرمی یا فلسفی، محض عقلی اور خودساختہ نظریات کو دین کہنا اشدّ غلطی ہے۔ قرآن مجید ہمیں بتلاتا ہے کہ دنیا میں روشنی صرف ایک ہے اور اس کا سرچشمہ بھی ایک ہے۔ ''اللّٰہ نور السماوات والأرض''۔ البتہ تاریکیاں بے شمار ہیں، اُن کا حدوحساب نہیں۔ اگر خدا کی روشنی کا - جو صرف انبیاء ورسل کے ذریعے آتی ہے- اُجالا نہ ہوتو دنیا کی ظلمتوں کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ زندگی کی ہر منزل اور اس کے ہر موڑ پر اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں نور اور ظلمت کا ایک ساتھ تذکرہ ہوا ہے، نور کو صیغۂ واحد کے ساتھ اور ظلمت کو صیغۂ جمع کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلمتیں متعدد ہوسکتی ہیں لیکن نور ایک ہی ہوگا۔ اِسی قدرتی روشنی کی اگر چمک نہ ہوتو پھر کسی مصنوعی روشنی سے اِس گھٹاٹوپ اندھیرے میں اجالا نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہ روشن اور جیتی جاگتی دنیا ایک وسیع اور تاریک قبر ہوگی جس میں روشنی کا کوئی منفذ اور مدخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا نورِ ہدایت اور دینِ حق صرف وہ ہے جو اللہ کے پیغمبروں کے ذریعے دنیا میں پھیلا اور جس کی نشرواشاعت کے لیے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام وقتاً فوقتاً دنیا میں مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ اسی سلسلے کے آخری پیغمبر محمد ﷺ تھے۔

کائناتِ عالم میں جتنے علمی وعملی کام ہیں ان میں سب سے مقدم اور سب سے ضروری یہ ہے کہ خود انسان کے اخلاقِ حسنہ کی تربیت کی جائے اور انھیں مرتبۂ کمال تک پہنچایا جائے۔ بس اسی کام کے لیے اللہ ذوالجلال نے ابتدائے آفرینش عالم سے ہمیشہ اپنے انبیاء ورسل بھیجے ہیں۔ بہت سی کتابیں اور صحائف نازل کیے ہیں اور دنیا کا کوئی خطہ باقی نہیں رہا جہاں اللہ کی طرف سے کوئی معلمِ اخلاق نہ آیا ہو۔ ان سب انبیاء ومرسلین کا مقصد ایک تھا، اور تعلیم ایک تھی۔ یہ ایک دوسرے کے مصدّق تھے۔ کسی نے کبھی کسی دوسرے کی مخالفت نہیں کی۔ اولادِ بنی آدم کا ان سے زیادہ بہتر ہمدرد کوئی دوسرا نہیں ہوا۔ ان سے زیادہ سچی اور صحیح تعلیم دینے والا نہ کوئی انسان ہوسکتا ہے، نہ فرشتہ۔ اللہ کے ان پاک بندوں نے جو کچھ کہا وہ اپنی طرف سے نہیں کہا۔ ان کی تعلیم الٰہی تعلیم تھی جس کو وہ اللہ کے بندوں تک پہنچانے آئے تھے اور اپنے کام کو اپنی وسعت بھر انجام

دے کر چلے گئے۔ آج اچھے اخلاق کے جتنے نمونے دنیا کے کسی خطے یا دنیا کی کسی قوم میں پائے جاتے ہیں وہ انہی بزرگان کے قدوم میمنت لزوم کی برکت واثر سے ہے۔ مگر حیرت ہوتی ہے کہ ان لاکھوں رہبرانِ قدرت کی تعلیمات کو اگر کوئی تلاش کرنا چاہے تو ساری عمر تلاش کرنے کے بعد بھی ان کی تعلیم کا ایک ورق ایسا نہیں ملتا جس کو یقینی طور پر کسی نبی یا رسول کی طرف منسوب کیا جاسکے۔ دنیا کے بیشتر خطوں کے بارے میں آج بھی یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ اس ملک یا علاقے میں اللہ کا کوئی پیغمبر آیا یا نہیں، اور آیا تو وہ کون تھا۔ اسلام سے پہلے دنیا میں صرف دو قومیں؛ یہود و نصاریٰ تھیں جو حضرت موسیٰ -علیہ السلام- اور حضرت عیسیٰ -علیہ السلام- کی امت ہونے کا دعویٰ کرتی تھیں اور انہی کے ذریعے سے بعض اور انبیاء ورسل کے نام زندہ اور زبانوں پر تھے۔ ان میں سے نصاریٰ کے پاس تو کوئی ایسی کتاب موجود ہی نہ تھی جس کو حضرت عیسیٰؑ نے اللہ کی کتاب کہہ کر پیش کیا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار حواریوں متی (Matthaw)، مرقس (Mark)، لوقا (Luke) اور یوحنا (John) نے اپنی اپنی سمجھ کے موافق حضرت عیسیٰ کے بعض وعظوں اور خطبوں کو جمع کر دیا تھا۔ بس یہی ہے جسے ان کے یہاں اللہ کی کتاب باور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں بھی پیچھے بہت کچھ تغیر وتبدل ہوا ہے۔ نہ ہمارے پاس اس کے راویوں کی کوئی سند ہے اور نہ تاریخ کا کوئی ریکارڈ یا ثبوت ہے۔ دوسری کتاب تورات باقی رہتی ہے۔ مگر جس کتاب کو اہلِ یہود تورات کہتے ہیں اس کے مضامین سے یہ ظاہر ہے کہ اس کا بہت سارا حصہ حضرت موسیٰؑ کے کافی بعد لکھا گیا۔ اور جس حصے کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں لکھا گیا ہے، اس کے تعلق سے بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ الہامی الفاظ ہیں یا مفاہیم اور روایت بالمعنی ہے۔ احکامِ عشر (Ten Commandments) کے سوا سب کچھ مشکوک ہے۔ علاوہ ازیں اس کا بھی قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ تحریر حضرت موسیٰؑ کے وقت سے اب تک بعینہ محفوظ ہے اور اس میں تغیرات اور تبدیلیاں نہیں ہوئیں۔ تاریخ تو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ڈیڑھ سو برس تک تابوتِ سکینہ (Sacred Box) کے ساتھ تورات بھی بت پرستوں کے قبضے میں رہی تھی اور اس دوران یہود کے پاس تورات کا کوئی نسخہ نہیں تھا۔ اس لیے کہ اس کا ایک ہی نسخہ تھا۔ ایک بزرگ نے جنہیں حضرت عزیر (Ezra) باور کرایا جاتا ہے، اسے اپنی یاد یا الہام سے دوبارہ لکھوایا۔ زرتشتیت بھی ایک قدیم مذہب ہے اور کئی لحاظ سے منفرد بھی ہے۔ مگر اس کا تاریخی تسلسل بھی جگہ جگہ سے منقطع ہے اور اپنے ابتدائی دور سے ہی یہ اپنے پیغمبر کی تعلیمات سے انحراف کا مرتکب قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ قدیم ایران کے ایک پیغمبر زرتشت کے روحانی تجربات پر قائم تھا جن کو ہر لحاظ

سے دنیا کے بڑے مذہبی بنیاد کاروں کی صف میں جگہ دی جانی چاہیے۔مگر ان کی حقیقی زندگی اور تعلیمات کے بارے میں ہم بہت کم جانتے ہیں۔زرتشتی روایات میں انھیں ایک معزز خاندان ''اسپتاما'' کا فرد بتایا جاتا ہے۔ان کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اوائلِ عمری سے ہی غور وفکر کے شائق اور حقیقت کے متلاشی تھے۔تقریباً پندرہ سال کی عمر میں انھوں نے صحرا میں خلوت نشینی اختیار کر لی۔ایک مدتِ دراز تک جنگلوں اور بیابانوں میں بھٹکتے رہے۔تیس سال کی عمر میں انھیں خدائے واحد ''اہورامزد'' کا مکاشفہ حاصل ہوا۔اس سے زیادہ زرتشت کی زندگی کا کوئی مستند یا غیر مستند ریکارڈ ہمارے پاس دستیاب نہیں۔البتہ اس سلسلے میں رسولِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا کیس استثنائی اور حد درجہ غیر معمولی حیثیت رکھتا ہے۔آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ مکمل طور سے تاریخ کی روشنی میں ہے۔انبیاء ورسل کے سلسلۃ الذہب میں یہ آپ کا لاثانی امتیاز اور بے بدل انفرادیت ہے۔علامہ سید سلیمان ندوی کی شاہ کار کتاب ''خطباتِ مدراس'' میں نبوتِ محمدیؐ کے اس امتیازی پہلو کو خاص طور سے ابھارا گیا ہے اور اس طرح اسلام کی حقانیت کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔

اسلام ایک دینِ دعوت ہے۔چونکہ نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے،اس لیے امتِ وسط کی حیثیت سے سارے انسانوں کو حق کی طرف بلانے کی ذمے داری اب مسلمانوں کی ہے۔اس ذمے داری سے کما حقہ عہد برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ غیر اسلامی ادیان ومذاہب اور عقائد ونظریات سے پوری واقفیت بہم پہنچائی جائے۔مسلمانوں نے دنیاوی عروج واقبال مندی کے دور میں جن صحت مند علوم وفنون کو ایجاد کیا اور پھیلایا ان میں دوسرے ادیان ومذاہب کا مطالعہ وجائزہ اور اسلام کے ساتھ اس کا تقابل بھی شامل ہے۔جدید دور میں مختلف تہذیبی روایتوں اور انسانی جماعتوں میں میل جول بڑھ رہا ہے۔نقل وحمل اور ابلاغ وترسیل کے ذرائع نے دنیا کو ایک بستی کی شکل دے دی ہے۔اسلام کی آفاقی تعلیمات کے زیرِ اثر ایک ایسا عالمی شعور وجود میں آ رہا ہے کہ مختلف معاملات ومسائل کو پوری نوعِ انسانی کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔چنانچہ ایک دوسرے کے معتقدات اور مقدسات کو سمجھنے کا رجحان بڑھا ہے۔ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کے دینی عقائد وتصورات کو دوسرے لوگ جانیں اور مانیں،یا کم از کم ان کا احترام کریں۔عالمی انسانی سماج کے مختلف دھڑوں کے مابین مفاہمت،خیر سگالی،یگانگت،صلح پسندی اور پُر امن بقائے باہم کے لیے یہ ضروری بھی ہے۔ہر مذہب اور ہر فرقہ اپنا ایک مخصوص نظامِ فکر رکھتا ہے۔اسے اگر نظر انداز کر دیا جائے تو اس کی سرگرمیوں اور اقدام وعمل کا پس منظر نگاہوں سے اوجھل رہ جائے گا۔لہٰذا اس پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ تحقیقی اور علمی طور پر اس کے

بارے میں کسی بے لاگ نتیجے تک پہنچا جا سکے۔

ہر صاحبِ قلم کا اپنا ایک مخصوص اندازِ بیان ہوتا ہے۔اس کا اپنا ذوق وذہن ہوتا ہے۔اس کے اپنے عقائداور سیاسی رجحانات ہوتے ہیں جن کے حصار سے نکلنا مشکل ہے۔اس کے سامنے اگر چہ ایک وسیع کتب خانے کے مختلف شعبے ہوتے ہیں، مگر وہ کسی ایک شعبے کو اپنی نظر میں رکھ کر اپنے مطالعے کا حاصل پیش کر دیتا ہے۔اسی لیے مذاہب کا تقابلی مطالعہ ایک مفید لیکن دشوار کام ہے۔مفید اس لیے کہ یہ جاننے کا موقع ملتا ہے کہ ایک جیسے مسائل میں مختلف مذاہب سے کیا رہنمائی مل سکتی ہے اور دشوار اس بنا پر کہ مصنف یا محقق کا جس مذہب سے تعلق ہوتا ہے اس کا پلڑا لامحالہ اسی طرف جھکتا ہے۔لاشعوری طور پر جدلی اندازِ گفتگو جاری ہو جاتا ہے۔مگر معروضیت کے نام پر کھوکھلی غیر جانب داری کا التزام بھی ہماری نظر میں یک گونہ دِکھاوا اور ڈھکوسلا ہی ہے۔حق کا اظہار ہونا چاہیے، مگر مناسب انداز میں۔اللہ کا شکر ہے کہ زیرِ نظر کتاب میں حق کو حق اور باطل کو باطل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔نیمے دروں نیمے بروں والی بات نہیں ہے۔تاہم قلم کو برابری اور انصاف کے تقاضوں کا ہر جگہ پابند رکھا گیا ہے اور یہ بڑی بات ہے۔میں اپنے مشفق ومربی استاد مولانا انیس احمد فلاحی مدنی صاحب کو صمیمِ قلب سے ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور حق الوسع حق ادا کر دیا۔استادِ محترم کا بڑا مناسب خیال ہے کہ زرتشت اصلاً ایک نبی تھے جن کی تعلیمات ان کے بعد تحریف وتبدل کا شکار ہوگئیں۔آخرت اور بعث بعد الموت کا تصور جس وضاحت اور تاکید کے ساتھ زرتشتی تعلیمات میں نظر آتا ہے اس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ ہو نہ ہو یہ کوئی سماوی دین تھا جو مرورِ زمانہ کے ساتھ اپنی اصل شناخت سے دور نکلتا چلا گیا۔ بہ ظاہر اردو زبان میں اس قدیم مذہب کے تعارف پر مشتمل کوئی تحقیقی علمی کتاب نہیں ہے۔ انشاء اللہ، اس کتاب کے ذریعے سے یہ خلا پُر ہوگا۔بارگاہِ رب میں دست بستہ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح استادِ محترم سے کام لیتا رہے اور ان کا اسپِ قلم کبھی زمین کی ناہمواری، حالات کی ناسازگاری اور اربابِ حل وعقد کی ناقدری وسردمہری سے متاثر ہو کر تعب اور تھکن کا شکار نہ ہونے پائے۔

شاہین باغ کی دادیوں کے نام

اشہد شیرازی

عزم و ہمت کی ڈھال ہو تم
عزیمتوں کی مثال ہو تم
اگرچہ ظاہر میں... ضُعفِ پیری سے
سر سے پا تک نڈھال ہو تم
مگر.........!
تمہاری آنکھوں کے نیم روشن
دِیوں سے میں نے یہ خواب دیکھا
سِیاہ ظلمت کی یورشوں میں
چمکتا اک آفتاب دیکھا
تمہارے چہروں کی جھریوں میں
پرانا بھارت دمک رہا ہے
انہیں جبینوں کی سِلوٹوں میں
انقلابِ نو چمک رہا ہے
تمہاری کمزور ہڈیاں یہ
ستم گروں کی ستم گری کی
تمام چولیں ہلا چکی ہیں

تمہارے ان کپکپاتے ہاتھوں نے
ظلم وسطوت کی ہر عمارت کو
ڈھادیا ہے گرادیا ہے
تمہارے نعروں کی گونج سے پھر
فرعونِ وقت اب لرز رہا ہے
تمہارے پیروں کی لرزشوں سے
حکومتیں ڈگمگا رہی ہیں
تماری لاٹھی خلافِ ظالم
عصائے موسیٰ بنی ہوئی ہے
اِنہیں عصاؤں کی گھن گرج سے
وہ خوف کھا کھا کے چھپ رہا ہے
رفتہ رفتہ سمٹ رہا ہے
قدم قدم پیچھے ہٹ رہا ہے
تمہاری ہمت تمہاری جرأت
نہ جانے کتنوں کا حوصلہ ہے
ڈٹے ہوئے تھے، ڈٹے ہوئے ہیں
ڈٹے رہیں گے یہ فیصلہ ہے
قدم جو آگے کو بڑھ چکے ہیں
نہیں رکیں گے یہ فیصلہ ہے
یہ فیصلہ ہے، یہ فیصلہ ہے
یہ فیصلہ ہے، یہ فیصلہ ہے

●●

آپ کے خطوط

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
اللہ کرے بخیر وعافیت ہوں۔

حیات نو کی پانچ کاپیاں پابندی کے ساتھ موصول ہو رہی ہیں۔ احباب بہت پسند کرتے ہیں اور نئے شمارہ کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ لوگوں میں بس خرید کر پڑھنے کا ذوق کم ہے۔

مغربی نیپال کے لیے بھی ان شاءاللہ 5 کاپیاں منگوائی جائیں گی۔ کوشش جاری ہے۔ احباب سے بات کر کے پتہ بھیجتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ حیات نو کو امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کا سنگ میل ثابت فرمائے اور آپ کی کوششوں کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔

والسلام
حسن حبیب فلاحی

لوگ چن لیں جس کی تحریریں حوالوں کے لیے
زندگی کی وہ کتاب معتبر ہوجائے
ابوالمجاہد زاہد

جامعہ کے لیل ونہار

مولانا مصباح الباری فلاحی

ملک وملت کی موجودہ صورت حال پر ایک اہم نشست

۱۶/دسمبر ۲۰۱۹ء بروز دوشنبہ ابواللیث ہال میں ایک پروگرام 'ملک وملت کی موجودہ صورت حال' کے عنوان پر منعقد ہوا۔

مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ اس وقت ملک کی جوصورت حال ہے اس پر ہر طبقے میں بے چینی کی کیفیت ہے۔ وہ تشویش کا شکار ہیں۔ ملک اس وقت خانہ جنگی کی طرف جارہا ہے اور ایسا لگ رہا ہے بطور خاص ملت اسلامیہ اس صورت حال میں سب سے زیادہ تشویش کا شکار ہے۔ انگریزوں نے مسلمانوں سے حکومت چھینی اور اسلام کا نام مٹانے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے۔ کیوں کہ یہ ملت موت سے نہیں ڈرتی ہے بلکہ جام شہادت کی متلاشی ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں ایسے حالات آئے ہیں اس لیے جوش کے ساتھ ہوش سے کام لینا ہے۔

مولانا طاہر مدنی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ حکومت نے این آر سی کا قانون پاس کیا ہے، جس پر پورے ملک میں احتجاج ہور ہے ہیں اور دہلی میں جامعہ ملیہ کے پرامن مظاہرہ میں پولیس نے کیمپس میں گھس کر توڑ پھوڑ کی اور لاٹھی چارج کی۔ جامعہ کے کئی طلبہ شدید زخمی ہیں۔ چنانچہ دہلی کی عوام نے رات بھر مخالفت کی اور اس کوشش کے نتیجے میں گرفتار طلبہ کو چھڑایا گیا اور پولیس کی کارروائی پر سخت نوٹس لیا گیا کیوں کہ پولیس جامعہ ملیہ اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں بغیر اجازت کے داخل ہوئی تھی۔

این آر سی کے مسئلہ کا آغاز آسام سے شروع کیا گیا۔ چنانچہ آسام میں ۱۹/لاکھ لوگ شہریت نہیں ثابت کرسکے۔ اس میں بارہ لاکھ ہندو اور چھ لاکھ مسلمان ہیں پھر حکومت نے سوچا کہ یہ ہتھکنڈا تو فیل ہوگیا۔ حکومت

نے (CAA) کا قانون پارلیمنٹ میں پیش کیا اور تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ بل پاس ہوگیا۔اور راجیہ سبھا میں بھی یہ بل پاس ہوگیا۔اس بل میں یہ کہا گیا ہے کہ پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش سے ہندو، عیسائی، سکھ، بودھ، جین اور پارسی مذہب کے لوگ اگر شہریت مانگیں گے تو انہیں شہریت دی جائے گی لیکن مسلمانوں کا اس میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں پولیس کی بربریت پر علی گڑھ، جے این یو، کلکتہ، ممبئی، حیدرآباد کی یونی ورسٹی کے طلبہ سڑکوں پر آ گئے اور جے این یو کے طلبہ نے تو تھانہ کا گھیراؤ بھی کیا۔ ملک کے مختلف طبقے اور مذہب کے لوگ حکومت کے اس بل کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں۔ اور عالمی سطح پر اس قانون کی مذمت ہورہی ہے۔ جاپان کے ایک سربراہ نے ہندوستان کا دورہ رد کردیا۔ اس لیے ہمیں جذبہ، حوصلہ مندی، جوش کے ساتھ ہوش مندی کا ثبوت دینا ہوگا۔ مختلف تنظیمیں اور طبقے اس بل کو واپس کرانے کے لیے حکومت پر دباؤ بنائیں گے۔ سرکار چاہتی ہے کہ یہ لڑائی ہندو بنام مسلم ہوجائے لیکن اس سازش میں حکومت کامیاب نہ ہوجائے۔ بلکہ یہ لڑائی انصاف کی لڑائی ہے اور آخری دم تک ہم اس لڑائی میں جٹے رہیں گے۔

مولانا انیس احمد فلاحی مدنی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ این آر سی اور سی اے اے قانون کے پیچھے بہت ہی گھناؤنی سازشیں ہیں۔ ہندوستان کو مسلمانوں نے بہت کچھ دیا ہے اور لیکن کبھی مسلمانوں نے ملک کی عظمت کے خلاف کوئی کوشش نہیں کی لیکن دوسرے لوگوں نے ملک کی عظمت پر دھبہ لگادیا ہے جبکہ مسلمانوں نے آزادی کے بعد سے آج تک ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔اس لیے اللہ پر بھروسہ رکھیے اور اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کیجیے۔

ناظم جامعہ نے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ آج جو کچھ ہورہا ہے یہ نبیوں کے ساتھ بھی ہوا ہے۔اس لیے جوش وجذبہ میں آپ ہوش نہ کھوئیں۔ عقل وفراست سے کام لیں۔ کسی طرح کی سازش کا شکار نہ ہوں۔سب کے ساتھ مل کر انصاف کی لڑائی لڑیے۔

اس پروگرام میں نظامت کے فرائض جناب مولانا عبدالعظیم فلاحی صاحب (معاون صدر مدرس) نے انجام دیے۔اور قراردادیں بھی انھوں نے پڑھ کر سنائی۔ جامعہ کے تمام شعبے کے اساتذہ وطلبہ نے اس اہم نشست میں شرکت کی۔

نگران اعلیٰ مولانا اظہار احمد فلاحی مدنی صاحب کی تذکیر

۱۶/دسمبر ۲۰۱۹ء بروز دوشنبہ مولانا اظہار احمد فلاحی مدنی صاحب (نگران اعلیٰ) نے ابواللیث ہال میں

طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت دنیا اور ملک کے حالات بہت تیزی سے بدل رہے ہیں۔ خاص طور سے ہندوستان کے حالات انتہائی ناگفتہ بہ ہیں۔آر ایس ایس نامی تنظیم ۱۹۲۵ء میں قائم ہوئی اور اپنے سو سال مکمل کرنے جارہی ہے اور یہ تنظیم اپنے مشن اور ایجنڈہ میں کامیاب ہے اور آج تک اس کے مشن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔لیکن ہم اپنے اخلاق وکردار اور عمل سے اس کے مشن کو کامیاب بنارہے ہیں کیوں کہ ہم اپنے مقاصد سے غافل ہیں۔تعلیم کے حصول میں سنجیدہ نہیں ہیں، وقت کو ضائع کرنا اپنا شیوہ بنا رکھا ہے یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ بلکہ ہم ایسے بنیں کہ ہمارے طرز عمل سے برادران وطن متاثر ہوں۔ اپنے اخلاق وکردار سے اسلام کی بہترین نمائندگی کریں۔تاکہ اسلام کی صحیح ترجمانی ہوسکے۔

مولانا سعود اختر فلاحی مدنی صاحب کی تذکیر

۱۹؍جنوری ۲۰۲۰ء بروز یکشنبہ ابواللیث ہال میں جناب مولانا سعود اختر فلاحی مدنی صاحب کی مختصر تذکیر ہوئی۔موصوف کا تعلق ضلع سنبھل سے ہے۔جامعہ سے عالمیت وفضیلت کی تکمیل کے بعد مدینہ یونیورسٹی سے بکالیورس اور ماجستر کی ڈگری حاصل کی۔فی الحال آپ کنیڈا میں مقیم ہیں۔انھوں نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ جامعہ میں طلبہ کو جو وقت میسر ہے وہ بہت قیمتی ہے۔فراغت کے بعد نہیں ملے گا۔اس موقع کو غنیمت جانیے۔ہر کام اصول وضوابط سے کیجیے۔کنیڈا کے لوگ محنتی اور جفاکش ہیں۔اسلام نے ہمیں وقت کی پابندی کے اصول سکھائے لیکن ہم نے اس چیز کو چھوڑ دیا۔وہاں بچوں کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ بچے سچ بولتے ہیں جب کہ اسلام کی پوری تعلیمات سچائی پر مبنی ہیں۔ہم اس پر عمل نہیں کرتے۔جامعہ کے طلبہ احادیث میں کمزور رہتے ہیں اس چیز کو ہم محسوس کرتے ہیں۔مدینہ میں قیام کے دوران شیخ ضیاء الرحمٰن اعظمی کی گفتگو میں بھی یہ بات سامنے آئی۔پھر موصوف نے روایت ودرایت میں فرق کرکے بتایا کہ سائنس کو ہم اس کے ماہرین سے سمجھتے ہیں اسی احادیث بھی ان کے ماہرین سی سمجھیں۔جامعہ میں احادیث کے متخصصین کا منہج ہونا چاہیے اور یہ کام صرف آپ ہی کرسکتے ہیں۔یورپ میں لوگ رات میں دس بجے لائٹ بند کردیتے ہیں اور چار بجے بیدار ہوجاتے ہیں۔اگر یورپ میں کوئی وقت ضائع کرتا ہے تو ہم جیسے لوگ اور یہاں کے باشندے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس ماحول میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

مولانا ذکی الرحمٰن غازی فلاحی نے اپنی تاثراتی تقریر میں فرمایا کہ جاپان میں مطالعہ کا شوق بے پناہ ہے۔ترقی یافتہ ممالک میں لوگ پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں۔امریکہ میں عورتیں کچن کی ایک ریک میں کتابیں

رکھتی ہیں۔ تاکہ دس پندرہ منٹ کا وقت ضائع نہ ہواور کچن میں ہی مطالعہ شروع کردیتی ہیں۔ سوئزرلینڈ کے بارے میں معلوم ہوا کہ لوگ فٹ پاتھ پر کھڑے ہوکر پانچ دس منٹ کے لیے بھی مطالعہ شروع کردیتے ہیں۔ بسوں میں لوگ مطالعہ کرتے نظر آتے ہیں۔ مطالعہ سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لیے خارجی مطالعہ ضرور کیجیے۔

ڈاکٹر سید نعیم حامد علی الحامد کی جامعہ آمد

۲۰؍جنوری ۲۰۲۰ء بروز دوشنبہ ایک تقریب باعزاز ڈاکٹر سید نعیم حامد علی الحامد صاحب منعقد ہوئی۔ اسامہ احسن (عربی پنجم) کی تلاوت قرآن سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ محمد منہاج (عربی سوم) نے ترانہ جامعہ پیش کیا۔

سابق ناظم جامعہ جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے مہمان کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا نام سید نعیم حامد علی الحامد ہے۔ یوپی کے ضلع سنبھل (مرادآباد) میں پیدائش ہوئی۔ پھر آپ پاکستان بچپن میں ہجرت کرگئے اور پھر پاکستان سے سعودی عرب۔ ۱۹۵۵ء سے سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ آپ ایک شاعر، محقق، ادیب اور مصنف ہیں۔ پیکر نغمہ، آپ کی شاعری کا مجموعہ ہے جو سعودی عرب سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ متعدد اشعار کے مجموعے شائع ہوئے۔ آپ کی شاعری ایک معیاری شاعری ہے۔ آپ اپنی لائبریری کی ساری کتابیں جامعہ کو ہدیہ کرچکے ہیں۔

پھر مہمان خصوصی نے طلبہ کے سامنے اپنا کلام پیش کیا۔ مہمان کے کلام کی چند خصوصیات یہ ہیں: (۱) معیاری شاعری (۲) عمدہ ترکیب (۳) مناسب الفاظ کا استعمال (۴) معانی ومفاہیم کا اعلیٰ نمونہ (۵) نغمگی اور موسیقیت کے ساتھ ساتھ عمدہ فکر وخیال۔

اسی طرح مہمان خصوصی کی آمد پر جامعہ میں ایک ادبی نشست کا انعقاد کیا گیا جس میں قرب وجوار کے شعرا نے بھی اپنا کلام پیش کیا۔ اسی طرح طالبات سے بھی موصوف نے خطاب کیا اور اپنا کلام سنایا۔

کلیۃ البنات میں ضلع مجسٹریٹ جناب ناگیندر پرساد سنگھ کا خطاب

۲۰؍جنوری ۲۰۲۰ء بروز دوشنبہ کلیۃ البنات میں ضلع مجسٹریٹ جناب ناگیندر پرساد سنگھ کی آمد پر ایک پروگرام کا اہتمام کیا گیا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن مع ترجمہ سے ہوا۔ اس کے بعد طالبات نے ترانہ

جامعہ پیش کیا۔ ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب نے مہمان کا استقبال کیا اور صدر معلّمہ نے کلیۃ البنات کا تعارف کرایا۔

اس کے بعد طالبات فاطمہ شمس، علینہ اشتیاق اور دعا عنایت نے بالترتیب اردو، ہندی اور انگریزی میں تقریر کی۔ مولانا عمیر الصدیق (دارالمصنفین ،اعظم گڑھ) نے ڈی ایم صاحب کی مدرسہ میں آمد کو سراہا اور موجودہ حالات کی روشنی میں ملت کے درد کو بھی بیان کیا۔

ڈی ایم صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ میرے دل میں بچیوں کے لیے بڑی عزت ہے۔ یہاں آ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ بچیوں نے جس بے باکی سے اظہار خیال کیا ہے، وہ قابل تحسین ہے۔ تمام مذاہب کی بنیاد امن ومحبت پر ہے، میں گیتا بھی پڑھتا ہوں اور قرآن بھی۔ مجھے دونوں میں بہت سمانتا اور یکسانیت نظر آتی ہے۔ سماج میں کافی غلط فہمیاں ہیں اسے دور کرنے کی ضرورت ہے۔

انہوں نے کہا کہ مجھے یہاں آ کر ناری کی شکتی کا احساس ہوا۔ اپنے غم وغصہ کا اظہار بھی جمہوری حق ہے۔ جامعہ ایک مثالی ادارہ ہے، یہاں کا نصاب بھی عمدہ ہے۔ اس کی مثال میں دوسرے مقامات پر دوں گا۔

آخر میں طالبات نے سی اے اے، این آر سی اور این پی آر کے بارے میں سوالات کیے۔ اس سب کی ڈی ایم نے وضاحت کی۔

مولانا انیس احمد مدنی نے پروگرام کی نظامت کی اور مہمان کا شکریہ ادا کیا۔

''تم وہ بہترین گروہِ انسانی ہو جو لوگوں (کی رہ نمائی) کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم (انھیں) بھلائی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''
(آل عمران:۱۱۰)

With best compliments from

ADHAM ALI
Managing Director

+91-9821 03 2562

Swaidan

MANPOWER CONSULTANTS

Regn. No. B0513/MUM/PER/1000+/10/8522/2009

Real Tech Park, 1013, 10th Floor, Sector 30/A
Near Vashi Railway Station, Vashi
New Mumbai-400703 (India)
Tel: +91-22-66441600, Fax: +91-22-66441688
E-mail: admin@swaidan.in
Website: www.swaidan.in

JARIDA HAYAT–E–NAU
February - 2020

RNI No: DELURD/2015/65862
Vol. V Issue - II

مڈل ایسٹ میں ملازمت کے خواہش مند حضرات کے لیے
ایک قابل اعتماد ادارہ

الهند فارن سروس ایجنسی

- اگر آپ میڈیکل لائن سے متعلق ہیں
- اگر آپ کوئی ہنر جانتے ہیں
- اگر آپ صرف پڑھے لکھے ہیں اور آپ کے پاس کوئی ہنر نہیں ہے
- اگر آپ کا کسی ہوٹل انڈسٹری سے تعلق ہے
- اگر آپ عام لیبر یا مزدور ہیں

تو آپ اپنے پاسپورٹ کی کاپی، فوٹو اور بائیوڈاٹا ہمیں بھیج دیجئے......اور دیگر تفصیلات کے لیے ہماری اطلاع کا انتظار کیجئے۔

وكالة الهند للخدمات الأجنبية

AL-HIND FOREIGN SERVICE AGENCY

Registration No.: B-0376/DEL/PER/1000+/5/1263/1984

Head Off: No. 73, Main Road, Near SBI
Zakir Nagar, New Delhi-110 025 (India)
E-mail: info@al-hind.com

Ph : 0091 - 11 - 26983980, 26983981
0091 - 11 - 26988375 / 76
Fax : 0091 - 11 - 26983982

Web: www.al-hind.com

Branch Office: 38, G.F. Ashoka Shopping Complex, Near G.T. Hospital
L.T. Road, Mumbai - 400 001 (India)
Ph. : 0091-22-22652906 Fax: 0091 - 22 - 22652910